

ثانوی زبان کی درسی کتاب

جان پہچان

(دسویں جماعت کے لیے)

حصہ - 5

© NCERT
not to be republished

© NCERT
not to be republished

ثانوی زبان کی درسی کتاب

جان پہچان

(دسویں جماعت کے لیے)

حصہ - 5



5022



नیشنल कौन्सल ऑफ ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

JAAN PEHCHAN, L2
Textbook for Class X

ISBN 978-81-7450-999-4

پہلا ایڈیشن

نومبر 2009 آگہن 1931

دیگر طباعت

دسمبر 2014 پوش 1936

فروری 2016 پھالگن 1937

اپریل 2018 چیترا 1940

جنوری 2019 ماگھ 1940

جملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یا دواشت کے ذریعے بازیافت کے سٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکائیکی، فوٹو کاپنگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی تریل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کر کے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظر ثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چھپی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط تصور رہوگی اور ناقابل قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پہلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیپس

شری اروندو مارگ

نئی دہلی - 110016 فون 011-26562708

108,100 فٹ روڈ ہوسٹلے کیرے ہیلی

ایسٹینشن بناشکری III اسٹیج

بنگلور - 560085 فون 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون

ڈاک گھر، نوجیون

احمد آباد - 380014 فون 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیپس

بمقابل ڈھانگل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی

کولکٹہ - 700114 فون 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس

مالی گاؤں

گواہاٹی - 781021 فون 0361-2674869

PD 12T SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ 2009

قیمت : ₹ 70.00

اشاعتی ٹیم

- ہیڈ، پہلی کیشن ڈویژن : محمد سراج انور
- چیف ایڈیٹر : شویتا اپل
- چیف بزنس مینجر : گوتم گانگولی
- چیف پروڈکشن آفیسر : ارون چتکارا
- ایڈیٹر : سید پرویز احمد
- پروڈکشن اسسٹنٹ : اوم پرکاش
- سرورق : اروپ گپتا

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ
سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ،
شری اروندو مارگ، نئی دہلی نے شری ورنداون گرافکس،
پرائیویٹ لمیٹڈ، E-34، بیکٹر-7، نوئیڈا-201301 میں
چھپوا کر پہلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

پیش لفظ

’قومی درسیات کا خاکہ، 2005‘ میں سفارش کی گئی ہے کہ بچوں کی اسکولی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویہ نظر کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل رہے ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابوں کی تیاری اسی بنیادی مقصد پر عمل آوری کی ایک کوشش کہی جاسکتی ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقہ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے ’طفل مرکوز نظام‘ کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کی ہمت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر نئی معلومات مرتب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محل وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب، مجوزہ نصابی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچوں کو بہ حیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقررہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے نظام الاوقات (Time-Table) اور طریقہ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روزمرہ معمولات میں نرمی کی اتنی ہی اہمیت یا ضرورت ہے جتنی کہ سالانہ کیلینڈر کے نفاذ اور محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے دستیاب مدت کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جاسکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعین ہوگا کہ یہ نصابی کتاب بچوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ پیدا کرنے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک

موثر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیل نو اور اُسے نیا رخ دینے کی غرض سے بچوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ نصابی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کو فروغ دینے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اولیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ”کمیٹی برائے درسی کتاب“ کی مخلصانہ کوششوں کی شکر گزار ہے۔ کونسل زبانوں کی مشاورتی کمیٹی برائے زبان کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصہ لیا، ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکر گزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ہم وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرناں مری اور پروفیسر جی۔ پی۔ دلش پانڈے کی سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید غور و فکر کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جاسکے۔

نئی دہلی

ڈائریکٹر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

اس کتاب کے بارے میں

جدید ہندوستانی زبانوں میں اردو کو خاص مقام حاصل ہے۔ یہ زبان ملک کی مختلف ریاستوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت بھی اردو کی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے۔

کونسل کے ذریعے تیار کردہ 'قومی درسیات کا خاکہ-2005' کی سفارشات کے بموجب مادری زبان کی تعلیم کے واسطے پہلی جماعت سے بارہویں جماعت تک اردو میں درسی اور معاون درسی کتب پہلے ہی مہیا کی جا چکی ہیں۔ اب کونسل نے ثانوی زبان کی تعلیم کے لیے چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک اور تیسری زبان کی تعلیم کے لیے ساتویں جماعت سے دسویں جماعت تک اردو میں نئی درسی کتابیں تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

'قومی درسیات کا خاکہ-2005' کے تحت پیش کی جانے والی یہ کتاب یعنی 'جان پہچان' دسویں جماعت کے طالب علموں کو دوسری زبان کے طور پر اردو پڑھانے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسکولوں میں دوسری زبان کی تعلیم کا آغاز چھٹی جماعت سے تجویز کیا گیا ہے اس لیے مذکورہ بالا درسی کتاب اردو کی تعلیم کے اس سلسلے کی پانچویں کتاب ہے۔ اس کتاب کا خاص مقصد طلباء کو بنیادی زبان سے واقف کرانا ہے تاکہ وہ مطلوبہ معیار کے مطابق صحیح اردو پڑھنا، بولنا اور لکھنا سیکھ جائیں۔ چھٹی سے دسویں جماعت تک کی ان درسی کتابوں کے ذریعے یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ طلباء کی زبان کا معیار بتدریج بلند ہوتا جائے۔ اس سلسلے کی ابتدائی کتابوں میں زبان کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے اور اسباق کی تیاری میں بتدریج ادب کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں ایسے اسباق شامل ہیں جن کے مطالعے سے انسان دوستی، فرض شناسی، حب الوطنی، قومی یک جہتی اور خوش حال زندگی سے متعلق جذبات فروغ پائیں۔ اسباق کے ذریعے جدید سائنسی موضوعات، ماحولیات اور دیہی زندگی سے متعلق معلومات بھی بہم پہنچائی گئی ہے۔ امید کہ اس سلسلے کی کتابوں کے مطالعے سے طلباء میں صحیح اردو سمجھنے، بولنے، پڑھنے، لکھنے اور خیالات کے اظہار کی خاطر خواہ صلاحیت پیدا ہو سکے گی۔

اظہارِ تشکر

اس کتاب میں اسماعیل میرٹھی کی 'حمد'، ساحر لدھیانوی کی نظم 'اے شریف انسانو'، کنھیا لال کپور کا انشائیہ 'بے تکلفی'، منشی پریم چند کی کہانی 'قول کا پاس'، احتشام حسین کا مضمون 'زبان کا گھر ہندوستان'، محمد مجیب کا مضمون 'آدمی کی کہانی'، حبیب تنویر کا ڈراما 'کارٹوس' اور بشر نواز کی نظم 'قدم بڑھاؤ دوستو' شامل ہے۔ کونسل ان کے وارثین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اس کتاب میں رتن سنگھ کی کہانی 'کاٹھ کا گھوڑا' شامل ہے۔ کونسل ان کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں کاپی ایڈیٹر ارشاد نیر، ڈی ٹی پی آپریٹر ساجد خلیل فلاحی، اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے دلچسپی سے حصہ لیا ہے۔ کونسل ان سبھی کی شکر گزار ہے۔

اس کے علاوہ پبلی کیشن ڈپارٹمنٹ کے کاپی ایڈیٹر توحید ناصر اور ڈی ٹی پی آپریٹر محمد عالم خان نے بھی اس کتاب کو حتمی شکل دینے میں تندہی سے کام کیا ہے لہذا کونسل ان کی بھی شکر گزار ہے۔

کمپیٹی برائے درسی کتاب

چیرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمریٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شیم حنفی، پروفیسر ایمریٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈینیٹر

رام جتم شرما، سابق پروفیسر اور ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لیٹریچر، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

ابن کنول، پروفیسر اور صدر، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ارشاد عبد الحمید، لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ پی۔ جی کالج، ٹونک

اقبال مسعود، جوائنٹ سکریٹری، مدھیہ پردیش اردو اکادمی، بھوپال

سلیم شہزاد، اردو ٹیچر (ریٹائرڈ)، 323 منگل وار وارڈ، بالیگاؤں

سید حنیف احمد نقوی، پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی

شگفتہ پروین، پی جی ٹی (اردو)، جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول (سیکنڈ شفٹ)، نئی دہلی

نہس الحق عثمانی، پروفیسر اور صدر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

صدیق الرحمن قدوائی، پروفیسر (ریٹائرڈ)، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

عتیق اللہ، پروفیسر (ریٹائرڈ)، دہلی یونیورسٹی، دہلی

محمد جنید عارف، لیکچرار اردو، ڈائنٹ، بھوپال

ممبر کوآرڈینیٹر

محمد نعمان خاں، (ریٹائرڈ) پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لیٹریچر، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

بھارت کا آئین

تمہید

ہم بھارت کے عوام متانت و سنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو ایک مقتدر، سماج وادی، غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لیے حاصل کریں۔

انصاف سماجی، معاشی اور سیاسی

آزادی خیال، اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت

مساوات بہ اعتبار حیثیت اور موقع اور ان سب میں

اخوت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا یقین ہو۔

اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج چھبیس نومبر 1949ء کو یہ آئین ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

1- آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ”مقتدر عوامی جمہوریہ“ کی جگہ (1977-1-3 سے)

2- آئینی (بیالیسویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے سیکشن 2 کے ذریعہ ”قوم کے اتحاد“ کی جگہ (1977-1-3 سے)

ترتیب

iii	پیش لفظ	
v	اس کتاب کے بارے میں	
1	نظم	1
5	انشائیہ	2
12	نظم	3
17	کہانی	4
24	غزل	5
27	مضمون	6
32	مضمون	7
36		8
39	(ترجمہ اسپینی لوک کہانی)	9
46	مضمون	10
50	غزل	11
53	مضمون	12
58	غزل	13
61	مضمون	14
68	مکالمہ	15
74	نظم	16

79	ماخوذ	مضمون	رضیہ سلطان	17
84	رتن سنگھ	کہانی	کاٹھ کا گھوڑا	18
92	ساحر لدھیانوی	نظم	اے شریف انسانو!	19
96	ماخوذ	(ترجمہ جاپانی لوک کہانی)	اوتی	20
103	حبیب تنویر	ڈراما	کارتوس	21
112	بشر نواز	نظم	قدم بڑھاؤ دوستو!	22

© NCERT
not to be republished



اسمعیل میرٹھی

(1844 – 1917)

محمد اسمعیل میرٹھی کی پیدائش میرٹھ میں ہوئی۔ انھیں بچپن سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ اپنے شوق اور محنت سے انھوں نے بڑی ترقی کی۔ کم عمری میں ملازم ہو گئے۔ علم و ادب کی دنیا میں نام پیدا کیا۔ اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے انھوں نے بچوں کی نفسیات، ذوق، شوق، دلچسپی، پسند اور ناپسند کا جائزہ لیا۔ انھیں تجربات کی مدد سے انھوں نے بچوں کے لیے نظمیں لکھیں اور اردو کی درسی کتابیں تیار کیں۔ یہ کتابیں ہر زمانے میں مقبول ہوئیں اور آج بھی شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

اسمعیل میرٹھی نے ان کتابوں میں آسان اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔ بچوں کے مزاج اور ان کی ذہنی ضرورتوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان کتابوں کی اہمیت اور ضرورت آج بھی مسلم ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے نتائج پیدا کرنا اسمعیل میرٹھی کا خاص انداز ہے۔ بلاشبہ وہ آج بھی بچوں کے سب سے پسندیدہ اور اہم ادیب ہیں۔



5022CH01

حمد

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی، کیا آسماں بنایا
مٹی سے نیل بوٹے، کیا خوش نما اُگائے
پہنا کے سبز خلعت ان کو جواں بنایا
سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی، روشنی بھی
کیا خوب چشمہ تو نے، اے مہرباں بنایا



یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چمکتی
 قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا
 رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر
 ان نعمتوں کا تجھ کو ہے قدرداں بنایا
 ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی
 یہ کارخانہ تو نے کب رائیگاں بنایا

(اسماعیل میرٹھی)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

خوش نما	:	اچھا دکھائی دینے والا، خوب صورت
خلعت	:	قیمتی لباس جو کسی بادشاہ یا امیر کی جانب سے کسی کو اعزاز کے طور پر دیا جائے
چشمہ	:	سوتا، وہ جگہ جہاں زمین سے پھوٹ کر پانی نکلتا ہے
تسبیح خواں	:	خدا کی پاکی بیان کرنے والا، شاعر نے یہاں چہچہاتے ہوئے پرندوں کو تسبیح خواں کہا ہے
میسر ہونا	:	حاصل ہونا
قدرداں	:	قدر کرنے والا
کارخانہ	:	کام کرنے کی جگہ، مراد دنیا
رائیگاں	:	بے کار، فضول

● غور کیجیے

خدا تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ہمیں ان کی قدر کرنا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- شاعر نے بیل بوٹوں کو مٹی سے اگایا ہوا کیوں کہا ہے؟
- 2- سورج کو چشمہ کیوں کہا گیا ہے؟
- 3- چڑیاں خدا کی تسبیح کیسے کرتی ہیں؟
- 4- آخری شعر میں کارخانے سے کیا مراد ہے؟

● عملی کام

اس نظم کی روشنی میں نیچے دیے گئے مصرعے پر پانچ جملے لکھیے:

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا



کنھیا لال کپور

(1910–1980)

کنھیا لال کپور لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور انگریزی کے استاد مقرر ہو گئے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد ہندوستان آ گئے اور گورنمنٹ کالج موگا (پنجاب) میں پرنسپل کے عہدے پر ملازم ہو گئے، یہیں ان کا انتقال ہوا۔ طنز و مزاح ان کا خاص میدان ہے۔ پیروڈی لکھنے میں انھیں خاص مہارت حاصل تھی۔ زندگی کے عام تجربوں سے مزاح پیدا کر لینا ان کی ایک خاص پہچان ہے۔

’نوک نشتر‘، ’بال و پر‘، ’نرم گرم‘، ’گرد کارواں‘، ’نازک خیالیاں‘، ’نئے شگوفے‘، ’سنگ و خشت‘، ’شیشہ و تیشہ‘ اور ’کامریڈ شیخ چلی‘ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

بے تکلفی



5022CH02

کہنے کو تو استاد ذوق فرما گئے ع

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر

لیکن یہ غور نہ فرمایا کہ اگر تکلف میں تکلیف ہے تو بے تکلفی میں کون سی راحت ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ وہ تکلف بھی جس کی معراج ”پہلے آپ ہے“ بے تکلفی سے بدرجہا بہتر ہے۔ فرض کیجیے آپ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہیں اور جہنم کا داروغہ آپ سے کہتا ہے ”تشریف لے چلیے“ اور آپ مسکرا کر نہایت لاجبت سے عرض کرتے ہیں، ”جی پہلے آپ“، تو عین ممکن ہے کہ آپ کے حسن اخلاق سے مرعوب ہو کر آپ کو جہنم کی بجائے جنت میں بھجوا دے۔ اس کے برعکس اگر آپ کی داروغہ جنت سے بے تکلفی ہے تو ہو سکتا ہے کہ ہنسی مذاق میں وہ آپ کو باغِ بہشت کی کسی نہر میں اتنے غوطے دلاوے کہ آپ کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔



تکلف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہینگ لگتی ہے نہ پھنگری اور ظاہر داری جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ مثلاً آپ کے گھر کوئی صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ کہتے ہیں، ”کچھ منگواؤں آپ کے لیے؟“ وہ فرماتے ہیں ”اجی صاحب، تکلف مت کیجیے۔“

”چائے پیئیں گے؟“

”شکریہ! ابھی پی ہے۔“

”سوڈا منگواؤں؟“

”نہیں صاحب، آپ تو خواہ مخواہ تکلف کرتے ہیں۔“

”شربت پیجیے گا۔“

”واہ صاحب، آپ تو پھر تکلف پر اتر آئے۔“

”ٹھنڈا پانی پیجیے۔“

”اچھا صاحب، اگر آپ اصرار کرتے ہیں، تو پی لیں گے۔“

اب اگر انہیں حضرت سے آپ کی بے تکلفی ہو تو آپ کو کتنی زحمت اٹھانی پڑے۔

”کھانا کھائیں گے آپ؟“

”ہاں ہاں ضرور کھائیں گے۔ لیکن کھانا کھانے سے پہلے چائے پیئیں گے۔“

”چائے منگواؤں؟“

”ضرور منگوائیے، لیکن پہلے سگریٹ پلائیے۔“

”چائے کے ساتھ کیا کھائیے گا؟“

”اماں یار، تمہیں معلوم تو ہے۔ پاؤ بھر گاجر کا حلوہ۔ دو آملیٹ، چار ٹوسٹ چھ سنبو سے۔ دس بارہ کریم رول اور ہاں ایک

آدھ کیک ہو جائے تو سبحان اللہ! لیکن جلدی کیجیے۔“

بے تکلفی میں یوں تو ہزاروں قباحتیں ہیں، لیکن سب سے بڑی یہ کہ بسا اوقات اس کے طفیل آپ کو سخت خفت اٹھانی پڑتی

ہے۔ آپ چند معزز اشخاص سے نہایت عالمانہ انداز میں کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں کہ کوئی صاحب دروازے پر اس طرح

دستک دیتے ہیں، گویا دروازہ توڑ کر ہی دم لیں گے۔ دو ایک منٹ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد بلند آواز میں چلانا شروع کر دیتے

ہیں“ اے.....کہاں ہے؟“ دروازہ کھول۔ اے نا ہنجر، سنتا نہیں۔ ہم کب سے چلا رہے ہیں۔ ارے کوئی ہے۔ سب مر گئے کیا؟!

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ آپ کے احباب پر نگاہ غلط انداز ڈالتے ہیں اور نہایت متانت سے کہتے ہیں، ”معاف کیجیے گا صاحب، میری ان سے ذرا بے تکلفی ہے۔“

یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ دو بے تکلف دوستوں کے درمیان کچھ اس طرح گھر جاتے ہیں کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ ان میں سے ایک دوسرے کو نہایت غلیظ گالی دیتا ہے اور آپ کی طرف عفو طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے ”برانہ مانیے گا۔“ دوسرا جواب میں اسی طرح کی گالی دیتے ہوئے کہتا ہے ”معاف کیجیے گا“ ہم بہت دنوں کے بعد ملے ہیں۔“ اس معذرت کے بعد گالیوں کا وہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ آپ کو بے ساختہ اس بے تکلفی کی داد دینا پڑتی ہے۔

ناولوں میں بے تکلف دوستوں کی بڑی دلچسپ مثالیں ملتی ہیں۔ تھیکرے ایک کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ صاحب جس دوست کے پاس ٹھہرتے تھے رخصت ہوتے وقت اس سے ایک قمیض ضرور مستعار لیا کرتے تھے۔ ہمارے ایک دوست اس معاملے میں تھیکرے کے اس کردار سے بازی لے گئے ہیں۔ وہ صرف قمیض پر اکتفا نہیں کرتے۔ ساری پوشاک کا مطالبہ کرتے ہیں۔ عموماً ٹیکسی میں سوار ہو کر ہمارے یہاں تشریف لاتے ہیں اور کمرے میں داخل ہوتے ہی فرماتے ہیں۔ ”پانچ روپے کا ایک نوٹ نکال لے۔ ڈرائیور کو دفع کر لوں۔ پھر باتیں کریں گے۔“ یہ حضرت ہمیشہ ہماری عدم موجودگی میں واپسی کا کرم کرتے ہیں اور وداع ہوتے وقت نوکر سے کہہ جاتے ہیں ”وہ آئیں تو انھیں کہہ دیجیے گا کہ میں ان کا گرم کوٹ، خاکی ٹائی اور کالی پتلون ساتھ لے جا رہا ہوں۔ چند دن استعمال کر کے واپس کر دوں گا۔“

ہمارے ایک اور بے تکلف دوست ہیں۔ وہ جہاں کہیں ہم سے ملتے ہیں، مصافحہ کرنے کے بجائے بار بار بغلگیر ہو کر بے تکلفی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک بار انارکلی میں ملاقات ہوئی۔ بازار کے بیچ انھوں نے یہ عمل جو دہرانا شروع کیا تو راگبیر دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے۔ ہر دو منٹ کے بعد بغلگیر ہو کر کہتے ”بھئی خوب ملے۔“ یار، حد ہو گئی۔ وہ اس انداز سے مجھے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں کس رہے تھے، گویا برسوں کے بعد ملے ہیں، حالانکہ اس ملاقات سے صرف دو دن پہلے مال روڈ پر ملے تھے اور وہاں بھی انھوں نے اسی قسم کی گرجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

بے تکلف دوست کی تو وہی مثال ہے کہ اسے وبال جان سمجھتے ہوئے بھی آپ وبال جان نہیں کہہ سکتے۔ اگر اس کے جی میں آئے تو آدھی رات کو آپ کے گھر آ دھمکے اور نہ صرف لذیذ کھانے کا مطالبہ کرے، بلکہ کہے کہ ”سوئیں گے بھی یہیں اور

سوئیں گے بھی آپ کے ساتھ۔“ دوپہر کے وقت آپ سو رہے ہوں تو قینچی لے کر ازراہ مذاق آپ کی دونوں مونچھوں کا صفایا کر ڈالے۔ شدتِ درد سے آپ کراہ رہے ہوں تو بدتمیزی سے آپ کا منہ چڑانا شروع کر دے۔

بعض اوقات بے تکلف احباب ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں کہ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں ”ہائے تکلف! ہائے تکلف!!“ ایک دفعہ مجھے دہلی جانا تھا۔ گاڑی کے آنے میں دیر تھی۔ پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھنے لگے ”کہاں جا رہے ہو؟“ میں ”دہلی“ کہنے لگے۔ ”دہلی جا کر کیا کرو گے؟ چلو باٹا نگر لے چلیں۔“ میں نے معذرت چاہی۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ یک لخت انھوں نے کہا ”ذرا ٹکٹ دیکھائیے تو“ میں نے ٹکٹ دکھایا۔ ٹکٹ لے کر انھوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور قلی سے کہنے لگے ”صاحب کا سامان واپس لے چلو، انھوں نے دہلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔“

انہیں صاحب نے ایک بار اس سے بھی عجیب حرکت کی۔ ایک دن میں دریا کے کنارے کھڑا ہوا، غروبِ آفتاب کا منظر دیکھ رہا تھا، نہ جانے آپ کہاں سے آٹپکے۔ آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پیچھے سے مجھے اس زور سے دھکا دیا کہ میں لڑکھڑاتا ہوا پانی میں جا گرا۔ آپ نہایت ڈھٹائی سے قہقہہ لگا کر فرمانے لگے ”واہ خوب چھلانگ لگائی آپ نے!“ جب میں بڑی مشکل سے تیر کر کنارے کے قریب پہنچا تو ایک قہقہہ لگا کر کہنے لگے ”مجھے معلوم نہ تھا، آپ اتنے اچھے تیراک بھی ہیں۔“

تکلف کے خلاف آپ جو چاہیں کہیں لیکن آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تکلف سراسر نفاست ہے۔ اور بے تکلفی سراسر کثافت۔ تکلف ”پہلے آپ“ ہے تو بے تکلفی ”پہلے ہم اور جہنم میں جائیں آپ!“۔ تکلف گز بھر لمبا گھونگھٹ ہے تو بے تکلفی گز بھر لمبی زبان۔ تکلف زیر لب مسکراہٹ ہے تو بے تکلفی خندہ بے باک۔

اب اگر اس پر بھی استاد ذوق فرمائیں کہ ”تکلف میں سراسر تکلیف ہے“ تو ہم تو یہی کہیں گے ”صاحب، آپ کو بے تکلف دوستوں سے پالا ہی نہیں پڑا۔“

(کنھی لال کپور)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

تکلف	:	تکلیف اٹھا کر کوئی کام کرنا، بناوٹ، ظاہر داری، دکھاوا
معراج	:	بلندی، اونچائی
شہاد	:	گواہ
راحت	:	آرام، آسائش
نانہجار	:	بری چال چلنے والا
عفو طلب	:	معافی مانگنے والا
یک لخت	:	فوراً، اچانک
معذرت	:	عذر
مستعار	:	مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا
اکتفا	:	کافی سمجھنا، کفایت کرنا
عدم موجودگی	:	غیر حاضری
کرم	:	عنایت، مہربانی
وداع	:	رخصت، جدائی
غروب	:	سورج یا چاند کا ڈوبنا
نفاست	:	خوبی، عمدگی، لطافت
کثافت	:	غلاظت، گاڑھا پن

● غور کیجیے:

☆ ضرورت سے زیادہ تکلف اور بے تکلفی دونوں ہی پریشانی کا سبب بن جاتے ہیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- بے تکلفی سے کیا پریشانی ہوتی ہے؟
- 2- تھیکرے نے اپنے ایک کردار کی بے تکلفی کا ذکر کس طرح کیا ہے؟
- 3- ”اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر“ اس مصرعے میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

ہینگ لگے نہ پھٹکری چھٹی کا دودھ یاد آنا دانتوں میں انگلیاں دبانا

● نیچے دیے ہوئے لفظوں سے واحد، جمع بنائیے:

ہاتھ	نشانات	جوتی	ٹوپیاں	فرض	احسانات
سوال	جنگل	جوابات	منزل		

● درج ذیل جملوں کو غور سے پڑھیے:

1. اکبر نے ایک کہانی پڑھی۔
 2. حمید کھانا کھا رہا ہے۔
 3. میں کل بے پور جاؤں گا۔
- ان جملوں میں ”پڑھی“، ”کھا رہا ہے“ اور ”جاؤں گا“ سے کام کرنے کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ پہلے جملے میں کہانی پڑھنے کا کام گزرے ہوئے وقت میں ہوا، اس زمانے کو ماضی کہتے ہیں۔ دوسرے جملے میں کھانے کا کام موجودہ وقت میں ہو رہا ہے۔ اس زمانے کو حال کہتے ہیں۔ تیسرے جملے میں بے پور جانے کا کام آنے والے وقت میں ہوگا۔ یہ زمانہ مستقبل کہلاتا ہے۔

● عملی کام:

☆ اس سبق کے جن جملوں پر آپ کو ہنسی آتی ہو انہیں اپنی کاپی میں لکھیے۔



نظیر اکبر آبادی

(1740-1830)

نظیر اکبر آبادی کا پورا نام ولی محمد تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنے خاندان کے ساتھ آگرے میں آکر بس گئے۔ نظیر عوامی شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے۔ انھوں نے یہاں کے موسموں، میلوں، تہواروں اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ سامنے کے موضوعات کو سیدھی سادی زبان میں بیان کرنا نظیر کی بہت بڑی خوبی ہے۔ ان کے پاس الفاظ کا غیر معمولی ذخیرہ تھا۔ وہ موقع اور موضوع کے اعتبار سے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں تاثیر بہت ہے۔

’روٹیاں‘، ’بخارا نامہ‘، ’مفلسی‘، ’ہولی‘، ’آدمی نامہ‘ اور ’کرشن کنھیٹا کا بال پن‘ وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے مختلف موسموں، پھلوں اور شخصیتوں پر نظیر کی نظمیں بھی اپنی خاص پہچان رکھتی ہیں۔ وہ اردو کے معروف شاعر ہیں۔



5022CH03

نیکی اور بدی

ہے دُنیا جس کا ناؤں میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
 جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
 یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
 گرمست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کسی کا مان رکھے تو پھر اُس کو بھی مان ملے
 جو پان کھلاوے پان ملے، جو روٹی دے تو نان ملے
 نقصان کرے نقصان ملے، احسان کرے احسان ملے
 جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اس کو آن ملے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو پار اُتارے اوروں کو اس کی بھی ناؤ اُترنی ہے
 جو غرق کرے پھر اس کو بھی یاں دُکوں دُکوں کرنی ہے
 شمشیر، تبر، بندوق، سناں اور نشتر، تیر، نہرنی ہے
 یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اُس کا بول بھی بالا ہے
 اور دے پٹکے تو اُس کو بھی پھر کوئی پٹکنے والا ہے
 بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
 اس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

(نظیر اکبر آبادی)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

عدل پرستی	:	انصاف پرستی
شمشیر	:	تلوار
تبر	:	کلہاڑی جیسا بڑا ہتھیار
سناں	:	بھالا
بالا	:	اونچا، بلند
دست بدستی	:	ہاتھوں ہاتھ، ”ایک ہاتھ سے دینا، دوسرے ہاتھ سے لینا“، کسی چیز کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچانا

نان	:	روٹی
غرق کرنا	:	ڈبونا
نہرنی	:	ناخن کا ٹٹے کا آلہ

● غور کیجیے:

- ☆ اس نظم میں ناؤں، یاں اور لوہو جیسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے یہ الفاظ رائج تھے۔ آج کل ناؤں کو نام، یاں کو یہاں اور لوہو کو لوہو کہا جاتا ہے۔
- ☆ نظم میں ایک لفظ ”ذبح“ بھی آیا ہے۔ اس کا صحیح تلفظ ’ب‘ اور ’ح‘ پر جزم کے ساتھ ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- نظم کے پہلے بند میں دنیا کو کس طرح کی بستی بتایا گیا ہے؟
- 2- ’کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں‘ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- 3- کس کی ناؤ پار اترتی ہے؟
- 4- ظالم کو ظلم کا کیا بدلہ ملتا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

- 1- جیسی کرنی ویسی بھرنی
- 2- بول بالا ہونا
- 3- پار اتارنا
- 4- مان رکھنا

● خالی جگہوں میں اسم یا فعل بھریے:

1. یہ دنیا اور طرح کی ہے۔
2. یہاں ہر دم جھگڑے رہتے ہیں۔
3. جو اوروں کو پارا تارتا ہے اس کی ناؤ بھی پار جاتی ہے۔

● عملی کام:

☆ آپ کو جو محاورے یاد ہیں ان میں سے تین محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

© NCERT
not to be republished



منشی پریم چند

(1880 – 1936)

پریم چند کی پیدائش بنارس کے ایک گاؤں لمبی میں ہوئی۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں ہوئی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد 1899 میں بنارس کے قریب چنارگرٹھ کے ایک مشن اسکول میں اسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ 1905 میں کانپور کے ضلع اسکول میں استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔

پریم چند کو لکھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ انھوں نے زندگی کے دکھ درد کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے مسائل ان کی تحریروں کا موضوع بن گئے۔ ان کی زبان بہت سادہ اور سلیس تھی۔ ان کے بیشتر ناول اور افسانے دیہاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

پریم چند نے تقریباً ایک درجن ناول اور تین سو سے زیادہ افسانے لکھے۔ ان کا شمار اردو کے اہم ترین ناول اور افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

’نرملہ‘، ’بیوہ‘، ’میدانِ عمل‘، ’بازارِ حسن‘ اور ’گودان‘ ان کے مشہور ناول ہیں۔



5022CH04

قول کا پاس

اکبر بادشاہ مغلوں کا بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے لڑائیاں لڑ کر ہندوستان کا بہت سا حصہ فتح کر لیا تھا۔ ایک راجپوتانہ رہ گیا تھا، اکبر نے چاہا کہ اسے بھی فتح کر لے اور وہاں بھی سلطنت کرے۔ یہ ارادہ کر کے راجپوتانہ پر فوج کشی کی۔ راجپوت اپنا ملک بچانے کے لیے لڑے تو بڑی بہادری سے، مگر آخر کار ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ راجپوتوں کا سردار رانا پرتاپ سنگھ اپنے بال بچوں کو لے کر کسی جنگل میں جا چھپا۔

راجپوتوں کے ایک سردار کا نام رگھوپت تھا۔ یہ بڑا بہادر اور جری تھا۔ اس نے کچھ لوگ اپنی فوج میں داخل کر لیے تھے اور ان کو ساتھ لے کر لڑا کرتا تھا۔ اس نے بہادری میں ایسا نام پیدا کر لیا تھا کہ بڑے بڑے مغل اس کا نام سن کر گھبرا جاتے تھے۔ اکبر کے سپاہیوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اس کو پکڑ لیں مگر وہ ایک جگہ کب رہتا تھا جو اسے پکڑ سکتے۔



رگھوپت سنگھ کی ایک بیوی تھی اور ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ جب وہ اپنے دشمنوں سے لڑنے کو گھر سے نکلا تھا، اس کا بیٹا بہت بیمار تھا۔ لیکن اس نے نہ تو اپنے بیمار بچے کا خیال کیا، نہ بیوی کا۔ مغلوں سے لڑنے کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ہاں کبھی کبھی چوری چھپے سے کسی کو گھر بھیج دیتا تھا اور بیوی بچے کی خبر منگوا لیا کرتا تھا۔

رگھوپت سنگھ کو پکڑنے کو اکبر بادشاہ نے بہت سی فوج بھیجی مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ پھر بادشاہ نے اس کے گھر پر پہرہ بٹھا دیا۔ اکبر کا خیال تھا کہ کسی دن رگھوپت سنگھ اپنے بال بچے سے ملنے کو ضرور گھر آئے گا۔ بس اسی دن سپاہی اس کو پکڑ لیں گے۔ ادھر کسی نے رگھوپت سنگھ کو خبر کر دی کہ تیرا بیٹا گھڑی دو گھڑی کا مہمان ہے، چل کر اُسے دیکھ لے۔

یہ سن کر رگھوپت سنگھ بہت گھبرایا۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ جنگل میں سفر کرنے کا وقت تو نہیں تھا مگر رگھوپت نے سوچا کہ ”اگر میں نے ذرا بھی دیر کی تو شاید میں لڑکے کی صورت بھی نہ دیکھ سکوں۔ اسی وقت چلنا چاہیے۔“ رگھوپت سنگھ اسی وقت چلنے کو تیار ہو گیا۔ جب رگھوپت سنگھ گھر پہنچا تو دروازے پر اکبر بادشاہ کے سپاہیوں میں سے ایک پہرہ دار نے کہا ”بادشاہ کا حکم ہے کہ تم جہاں ملو، پکڑ لیے جاؤ“ رگھوپت سنگھ نے کہا ”میرا لڑکا مر رہا ہے، اسے دیکھنے آیا ہوں، ذرا دیر کے لیے مجھے اندر چلا جانے دو، ابھی دیکھ کر لوٹ آتا ہوں۔ اس وقت جو جی چاہے کر لینا۔ میں راجپوت ہوں، جھوٹ ہرگز نہ بولوں گا۔“



اس پہرہ والے سپاہی نے کہا ”دیکھ آؤ۔“ جب رگھوپت سنگھ گھر میں گیا تو دیکھا کہ لڑکا بے چین ہو رہا ہے اور بیوی فکر کے مارے بے حال ہو رہی ہے۔ میاں کو دیکھ کر بیوی کی ڈھارس بندھی۔ رگھوپت سنگھ نے بچے کو پیار کیا اور دوا کی تدبیریں بتائیں۔ پھر اپنی بیوی سے کہا۔ ”دروازے پر سپاہی کھڑا ہے، میں کہہ آیا ہوں کہ میں قید ہونے کو ابھی واپس آتا ہوں۔“ بیوی نے کہا۔ ”ایسا نہ کرو، دوسرے دروازے سے نکل جاؤ۔“ رگھوپت نے کہا ”یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں قول دے چکا ہوں، اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے پر آیا اور سپاہی سے کہنے لگا ”لو میں آ گیا اب مجھے پکڑ کر جہاں چاہو لے چلو۔“ سپاہی نے کہا ”تسمیں پکڑنے کو میرا جی نہیں چاہتا، تم بھاگ جاؤ۔“ رگھوپت نے کہا ”بہت بہتر، تم نے اس وقت میری مدد کی ہے، جب تم پر بُرا وقت آئے گا تو میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔ یہ کہہ کر رگھوپت آگے بڑھا اور غائب ہو گیا۔

اس بات کو تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مغلوں کا ایک افسر کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر آ پہنچا۔ پہرے والے سے کہا ”ہم نے سنا ہے رگھوپت ادھر آیا ہے“ پہرے والے نے سچ سچ کہہ دیا کہ ”رگھوپت سنگھ اپنے بیمار بیٹے کو دیکھنے آیا تھا اور میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی“ یہ سن کر افسر نے پہرہ دار کو قید کر لیا۔ رگھوپت سنگھ کو بھی سپاہی کے قید ہونے کی خبر مل گئی۔ وہ اسی وقت واپس آیا اور آکر مغل افسر کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا کہ ”میں رگھوپت ہوں، میں واپس آ گیا ہوں، مجھے پکڑ لو اور اس بے گناہ قیدی کو چھوڑ دو۔“ افسر نے رگھوپت کو پکڑ لیا اور قید خانے میں ڈال دیا لیکن سپاہی کو نہ چھوڑا، افسر نے دونوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

دوسرے دن سپاہی رگھوپت اور پہرہ دار کو میدان میں لائے کہ ان کو قتل کیا جائے۔ دونوں کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ مغل افسر نے جفا دے کہا کہ دونوں کی گردنیں اڑا دو۔ جفا دے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ لوگوں نے دیکھا تو اکبر بادشاہ اپنے افسروں کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ سب نے جھک کر سلام کیا۔ اکبر گھوڑے پر سے اتر پڑا اور کہنے لگا ”رگھوپت کی گرفتاری کا پورا حال مجھ کو معلوم ہو چکا ہے۔“ پھر پہرہ دار سے کہا ”ہر بھلے آدمی کا دل دوسروں کا دکھ دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس راجپوت کی تکلیف دیکھ کر تمہارا دل بھرا آیا تھا۔ اس لیے تم نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے بھی تو میں نے معاف کیا۔ مجھے ایسے ہی سپاہی چاہیے۔ جو اپنے بادشاہ سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔“ یہ سنتے ہی پہرہ دار خوشی سے پھولا نہ سما۔

پھر اکبر نے رگھوپت کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مجھے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ بہادر راجپوت بات کے اتنے دھنی ہوتے ہیں۔ تمہاری بہادری اور ایفائے وعدہ سے میں بہت خوش ہوا، میں نے تم کو بھی چھوڑا۔“ رگھوپت سنگھ گھٹنوں کے بل زمین پر جھک گیا اور کہا ”آپ جس رگھوپت کو اتنی مشکل سے بھی جیت نہ سکے، آج اپنی دریا دلی دکھا کر آپ نے اسے جیت لیا۔ آپ بہادروں کی

وقت کرانا جانتے ہیں۔ اب میں کبھی آپ کا دشمن ہو کر تلوار نہ اٹھاؤں گا۔‘
جو آدمی اپنے وعدے کے پکے ہوتے ہیں اور سچائی پر جے رہتے ہیں اور دوسرے کے دکھ میں مدد کرتے ہیں خدا ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے۔

(منشی پریم چند)

منش

● معنی یاد کیجیے:

فتح	:	جیت
فوج کشی	:	حملہ، چڑھائی
جری	:	جنگجو، بہادر
قول	:	وعدہ
دریا دلی	:	فراخ دلی
وقت	:	عزت

● غور کیجیے:

☆ انسان کو اپنے وعدے کا پکا ہونا چاہیے۔ جو لوگ وعدے کے سچے ہوتے ہیں انہیں زندگی میں عزت اور کامیابی ضرور ملتی ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- اکبر کس خاندان کا بادشاہ تھا؟
- 2- راجپوتوں کے اس سردار کا نام کیا تھا، وہ جنگل میں کیوں چھپ گیا تھا؟
- 3- رگھوپت نے پہرے دار کی مدد کس طرح کی؟
- 4- اکبر، رگھوپت کی کس بات سے متاثر ہو گیا؟
- 5- اکبر نے رگھوپت کا دل کس طرح جیت لیا؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

سلطنت فوج پہرے دار تدبیر قصور

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

دروازے وعدے اکبر سپاہی رگھوپت

- 1- بادشاہ مغلوں کا بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔
- 2- راجپوتوں کے ایک سردار کا نام تھا۔
- 3- بیوی نے کہا ”ایسا نہ کرو، دوسرے سے نکل جاؤ۔“
- 4- دوسرے دن رگھوپت اور پہرے دار کو میدان میں لائے۔
- 5- جو آدمی اپنے کے پکے ہوتے ہیں خدا ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے۔

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے واحد کی جمع اور جمع کی واحد بنائیے:

افواج تدابیر مدد ملک سفر

- نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے مذکر سے مؤنث اور مؤنث سے مذکر بنائیے:

بادشاہ گھوڑا لڑکا عورت بیٹی

- نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

پاؤں اکھڑنا ڈھارس بندھنا قول دینا دل بھر آنا پھولا نہ سمانا

- نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

سچائی دکھ بہادر قید دشمن محبت

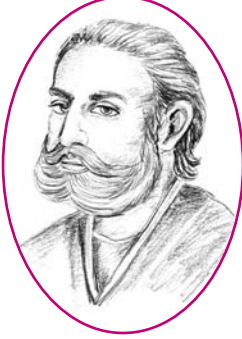
- اسم خاص اور اسم عام کو الگ الگ کیجیے:

اکبر بادشاہ بہادر رگھوپت بیٹا راجپوتانہ گھوڑا

- عملی کام:

☆ اس سبق سے کیا نصیحت ملتی ہے اپنے الفاظ میں لکھیے۔

☆ اکبر کی شخصیت پر پانچ جملے لکھیے۔



میر تقی میر

(1722 – 1810)

میر تقی میر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن بعد وہ دلی میں آ بسے۔ دلی کی زندگی میں جب انتشار پیدا ہونے لگا تو میر تلاشِ معاش میں لکھنؤ چلے گئے۔ باقی زندگی لکھنؤ ہی میں گزاری اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

میر کلاسیکی اردو غزل کے ایک بڑے شاعر ہیں۔ وہ اردو غزل کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ سادہ اور عام فہم الفاظ میں سوز و گداز کی کیفیات پیدا کرنے میں میر کا کوئی ثانی نہیں۔ غزلوں کے علاوہ شاعری کی دوسری اصناف میں بھی انھوں نے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی مثنویوں ’بہارِ عشق‘، ’شعلہٴ عشق‘ اور ’دریائے عشق‘ کو بھی بہت شہرت ملی۔ فارسی میں اردو شعرا کا ایک تذکرہ، ’’نکات الشعراء‘‘ اور ’’ذکر میر‘‘ کے عنوان سے اپنی سوانح حیات بھی لکھی ہے۔ انھیں خدائے سخن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔



5022CH05

غزل

ہستی اپنی حباب کی سی ہے یہ نمائش سراب کی سی ہے
 ناز کی اس کے لب کی کیا کہیے پتھر کی اک گلاب کی سی ہے
 بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں حالت اب اضطراب کی سی ہے
 میں جو بولا، کہا کہ یہ آواز اُسی خانہ خراب کی سی ہے
 میرا اُن نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

(میر تقی میر)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

ہستی	:	وجود
ناز کی	:	نزاکت
حباب	:	بلبلہ
نمائش	:	دکھاوا، مراد دنیا

اضطراب : بے چینی
خانہ خراب : جس کا گھر برباد ہو گیا ہو، مراد عاشق
نیم باز : ادھ کھلی

● غور کیجیے:

- ☆ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اسے مقطع کہتے ہیں۔
- ☆ تیز دھوپ میں ریگستان کو دیکھیں تو کچھ دوری پر پانی چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ دراصل ریت ہی ہوتی ہے، پانی ہونے کا صرف دھوکا ہوتا ہے۔ اسی کو سراب کہتے ہیں اور اسی وجہ سے سراب کے ایک معنی ”دھوکا“ ہیں۔
- ☆ غزل کے دوسرے شعر میں ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی جیسا بتایا گیا ہے، اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- انسانی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟
- 2- بے چینی کے عالم میں شاعر پر کیا بیت رہی ہے؟
- 3- شعر میں خانہ خراب کسے کہا گیا ہے؟

● عملی کام:

- ☆ آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز، آدمی یا جگہ کے نام کو اسم کہا جاتا ہے۔ میر کی غزل میں جتنے اسموں کا استعمال ہوا ہے، ان کی ایک فہرست بنائیے۔
- ☆ میر کے کچھ اور اشعار یاد کیجیے۔



5022CH06

پانی کی آلودگی

ہوا، پانی اور غذا ہماری صحت اور زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ بے احتیاطی اور بے قاعدگی سے ان چیزوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ کھانے کی چیزیں اگر کھلی چھوڑ دی جائیں تو کھیاں، گرد اور بیماری پھیلانے والے جراثیم، اُن کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ گردوغبار، کارخانوں سے نکلنے والا دھواں اور مہلک گیسیں ہوا میں آلودگی پیدا کر دیتی ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پینے کے پانی کے ذخیرے کس طرح آلودہ ہوتے ہیں؟ باؤلیوں، تالابوں اور نہروں کے پانی میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، مویشیوں کو نہلایا جاتا ہے، انسان بھی وہیں نہاتے ہیں، اس طرح انسانوں اور جانوروں کی ساری گندگیاں باؤلیوں اور تالابوں میں داخل ہو جاتی ہیں اور پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ نالیوں کی گندگی اور





کوڑا کرکٹ بھی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ کارخانوں سے نکلنے والا میل کچیل اور کیڑے مار دواؤں کا چھڑکاؤ بھی پانی کی آلودگی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس قسم کی گندگیاں پانی میں آکسیجن کی مقدار کم کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے مچھلیاں مرجاتی ہیں۔ بارش کا پانی قدرتی طور پر صاف ستھرا اور پینے کے

قابل ہوتا ہے۔ جب وہ زمین پر بہتا ہے تو نالوں کی

شکل میں بہتا ہوا ندیوں اور تالابوں میں جمع ہو

جاتا ہے۔ اس پانی میں مٹی کے

ذرات، نمکیات اور دوسرے مادے

بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ

سے یہ پانی گدلا ہو جاتا ہے اور

پیش، قبض، پیٹ کا درد اور ہیضہ

جیسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔

آلودہ پانی کو پینے کے قابل

بنانے کے لیے اسے جوش دے کر ٹھنڈا کریں اور



چھان کر کسی صاف برتن میں رکھیں۔ پانی کو جوش دیتے وقت دو چٹکی پوٹاشیم پر میگنیٹ ڈالنے سے جراثیم مر جاتے ہیں۔ گدلا پانی صاف کرنے کے لیے اس میں پھٹکری کے ٹکڑے ڈالنے کے بعد کپڑے سے چھان لینا چاہیے۔ اس طرح مٹی کے ذرات تہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور پانی صاف ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پانی کے نلوں کو گندی نالیوں سے دور رکھا جائے۔



مشق

● معنی یاد کیجیے:

آلودگی	:	ملاوٹ، گندگی، میلاپن
بے احتیاطی	:	لا پرواہی
بے قاعدگی	:	بے ترتیبی

جراثیم	:	کیڑے مکوڑے
آلودہ	:	گندا
ذرات	:	ذرّہ کی جمع، ریزے، چھوٹے ٹکڑے
نمکیات	:	کھاری چیزیں

● غور کیجیے:

صحت کے لیے ہوا، پانی اور غذا ضروری ہے۔
جانوروں اور انسانوں کے نہانے سے باؤلیوں اور تالابوں کا پانی گندا ہو جاتا ہے۔
بیماریوں کے پھیلنے کی ایک وجہ گندے پانی کا استعمال بھی ہے۔
آلودہ پانی کو پینے کے لائق بنانے کے لیے خوب اُبالنا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1۔ آلودگی سے کیا مراد ہے؟
- 2۔ کھانے پینے کی چیزیں کس طرح آلودہ ہو جاتی ہیں؟
- 3۔ پانی حاصل کرنے کے قدرتی ذریعے کون کون سے ہیں؟
- 4۔ پانی کی آلودگی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟
- 5۔ شہروں کی گندگی کس طرح دریاؤں میں شامل ہو جاتی ہے؟
- 6۔ آلودہ پانی کو پینے کے قابل کیسے بنایا جاتا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

صحت آلودگی گرد و غبار جراثیم دریا قدرتی تالاب

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

- پانی آلودہ بارش جراثیم
1. تالابوں کا پانی جانوروں کے نہانے سے..... ہو جاتا ہے۔
 2. صحت کے لیے صاف..... ضروری ہے۔
 3. کا پانی قدرتی طور پر صاف ہوتا ہے۔
 4. مکھیاں..... پھیلاتی ہیں۔

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

اقسام ذرات خرابی ذخیرہ

● عملی کام:

☆ پانی کی آلودگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔



5022CH06

پانی کی آلودگی

ہوا، پانی اور غذا ہماری صحت اور زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ بے احتیاطی اور بے قاعدگی سے ان چیزوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ کھانے کی چیزیں اگر کھلی چھوڑ دی جائیں تو کھیاں، گرد اور بیماری پھیلانے والے جراثیم، اُن کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ گردوغبار، کارخانوں سے نکلنے والا دھواں اور مہلک گیسیں ہوا میں آلودگی پیدا کر دیتی ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پینے کے پانی کے ذخیرے کس طرح آلودہ ہوتے ہیں؟ باؤلیوں، تالابوں اور نہروں کے پانی میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، مویشیوں کو نہلایا جاتا ہے، انسان بھی وہیں نہاتے ہیں، اس طرح انسانوں اور جانوروں کی ساری گندگیاں باؤلیوں اور تالابوں میں داخل ہو جاتی ہیں اور پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ نالیوں کی گندگی اور





کوڑا کرکٹ بھی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ کارخانوں سے نکلنے والا میل کچیل اور کیڑے مار دواؤں کا چھڑکاؤ بھی پانی کی آلودگی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس قسم کی گندگیاں پانی میں آکسیجن کی مقدار کم کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے مچھلیاں مرجاتی ہیں۔ بارش کا پانی قدرتی طور پر صاف ستھرا اور پینے کے

قابل ہوتا ہے۔ جب وہ زمین پر بہتا ہے تو نالوں کی

شکل میں بہتا ہوا ندیوں اور تالابوں میں جمع ہو

جاتا ہے۔ اس پانی میں مٹی کے

ذرات، نمکیات اور دوسرے مادے

بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ

سے یہ پانی گدلا ہو جاتا ہے اور

پیش، قبض، پیٹ کا درد اور ہیضہ

جیسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔

آلودہ پانی کو پینے کے قابل

بنانے کے لیے اسے جوش دے کر ٹھنڈا کریں اور



چھان کر کسی صاف برتن میں رکھیں۔ پانی کو جوش دیتے وقت دو چٹکی پوٹاشیم پرمینگنیٹ ڈالنے سے جراثیم مر جاتے ہیں۔ گدلا پانی صاف کرنے کے لیے اس میں پھٹکری کے ٹکڑے ڈالنے کے بعد کپڑے سے چھان لینا چاہیے۔ اس طرح مٹی کے ذرات تہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور پانی صاف ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پانی کے نلوں کو گندی نالیوں سے دور رکھا جائے۔



مشق

● معنی یاد کیجیے:

آلودگی	:	ملاوٹ، گندگی، میلا پن
بے احتیاطی	:	لا پرواہی
بے قاعدگی	:	بے ترتیبی

جراثیم	:	کیڑے مکوڑے
آلودہ	:	گندا
ذرات	:	ذرّہ کی جمع، ریزے، چھوٹے ٹکڑے
نمکیات	:	کھاری چیزیں

● غور کیجیے:

صحت کے لیے ہوا، پانی اور غذا ضروری ہے۔
جانوروں اور انسانوں کے نہانے سے باؤلیوں اور تالابوں کا پانی گندا ہو جاتا ہے۔
بیماریوں کے پھیلنے کی ایک وجہ گندے پانی کا استعمال بھی ہے۔
آلودہ پانی کو پینے کے لائق بنانے کے لیے خوب اُبالنا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1۔ آلودگی سے کیا مراد ہے؟
- 2۔ کھانے پینے کی چیزیں کس طرح آلودہ ہو جاتی ہیں؟
- 3۔ پانی حاصل کرنے کے قدرتی ذریعے کون کون سے ہیں؟
- 4۔ پانی کی آلودگی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟
- 5۔ شہروں کی گندگی کس طرح دریاؤں میں شامل ہو جاتی ہے؟
- 6۔ آلودہ پانی کو پینے کے قابل کیسے بنایا جاتا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

صحت آلودگی گرد و غبار جراثیم دریا قدرتی تالاب

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

- پانی آلودہ بارش جراثیم
1. تالابوں کا پانی جانوروں کے نہانے سے..... ہو جاتا ہے۔
 2. صحت کے لیے صاف..... ضروری ہے۔
 3. کا پانی قدرتی طور پر صاف ہوتا ہے۔
 4. مکھیاں..... پھیلاتی ہیں۔

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

اقسام ذرات خرابی ذخیرہ

● عملی کام:

☆ پانی کی آلودگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔



سید احتشام حسین

(1912 – 1972)

پروفیسر سید احتشام حسین کی پیدائش قصبہ ماہل، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں ہوئی۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے الہ آباد آ گئے۔ یہیں ان کا انتقال ہوا۔ احتشام حسین کا شمار اردو کے صفِ اوّل کے نقادوں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ”تنقیدی جائزے“، ”روایت اور بغاوت“، ”ادب اور سماج“، ”ذوقِ ادب اور شعور“، ”افکار و مسائل“ اور ”اعتبارِ نظر“ ان کی اہم کتابیں ہیں۔ انھوں نے امریکہ اور یورپ کا ایک سفر نامہ بھی لکھا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے ”اردو کی کہانی“ لکھی۔ اس کتاب میں اردو زبان اور ادب کی تاریخ مختصر طور سے بہت ہی آسان اور دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے۔

یہ سبق ان کی کتاب ’اردو کی کہانی‘ سے لیا گیا ہے۔



5022CH07

زبانوں کا گھر، ہندوستان

ہندوستان ایک لمبا چوڑا دلش ہے جس میں کہیں اُونچے پہاڑ اور گہری ندیاں راستہ روکتی ہیں۔ کہیں پھیلے ریگستان ہیں جن میں آبادی کم ہے۔ کہیں زمین سونا اُگلتی ہے، کہیں بنجر ہے اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کے بسنے والوں کو دیکھو تو کالے بھی ہیں اور گورے بھی، خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی، لمبے قد والے بھی ہیں اور چھوٹے قد والے بھی، جنگلیوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے بھی ہیں، اور بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے بھی۔ یہاں نہ جانے کتنی طرح کے لوگ ملتے ہیں، اور کتنی طرح کی زبانیں اور بولیاں بولتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کو ہندوستان میں بسے ہوئے پانچ ہزار برس سے بھی زیادہ ہو گئے۔ کچھ ایسے ہیں جو تھوڑے ہی دنوں سے یہاں آباد ہیں۔ ایسے دلش میں عجیب عجیب ڈھنگ کی قومیں ہوں گی اور عجیب عجیب زبانیں، لیکن اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ تو اس ملک کے بڑے ہونے کی نشانی ہے کہ اس میں الگ الگ ہونے پر بھی سب کے مل جل کر رہنے کی گنجائش ہے۔

یہ بتانا کٹھن ہے کہ پانچ ہزار برس پہلے یہاں کون لوگ بستے تھے۔ مگر اب بہت سے لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ اس زمانے سے یہاں دُور دُور کے لوگ آنے لگے۔ اتنا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے کہ پہلے دنیا کے زیادہ تر لوگ وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور کھانے پینے کی کھوج میں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ جانوروں کا شکار کرتے تھے یا درختوں کے پھل، پتے اور جڑ کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔ ان میں کے کچھ لوگ یہاں بھی پہنچے۔ اُن کی نسل کے لوگ اب بھی بنگال، بہار، چھوٹا ناگپور اور وندھیا چل کے پہاڑوں کے قریب پائے جاتے ہیں۔ وہ جو زبان بولتے تھے وہ آج بھی الگ ہے۔ ان میں سے کول اور منڈا قبیلے مشہور ہیں اور اپنی بولیاں بولتے ہیں (یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو کوئی بولی بولتی نہ ہو۔ یہی بات تمام انسانوں میں ملتی ہے)۔ اُن کے ہزار ڈیڑھ ہزار برس کے بعد دراوڑ لوگ پچھم کی طرف سے آئے، وہ لوگ جنہیں دراوڑ کہا جاتا ہے۔ یہاں انھوں نے خوب ترقی کی، آج بھی مدراس، میسور، آندھرا پردیش اور کیرل میں یہی لوگ آباد ہیں۔ تم نے تامل، تیلگو زبانوں کے نام سنے ہوں گے۔ یہ انھیں لوگوں کی زبانیں ہیں۔

یہ تو تھا ہندوستان کا حال۔ باہر ایران، چین اور ترکستان وغیرہ میں ایک اور قوم جسے عام طور سے تاریخ میں آریہ کہا جاتا

ہے ترقی کر رہی تھی۔ یہ لوگ بہادر تھے، اچھی شکل رکھتے تھے، گھوڑے سے کام لینا اور کھیتی کرنا جانتے تھے۔ کوئی ساڑھے تین ہزار برس ہوئے یہ لوگ ہندوستان میں آئے اور انھوں نے یہاں کے پُرانے بسنے والوں کو ہرا کر اتری بھارت میں اپنا راج قائم کیا۔ ان لوگوں نے بہت سی نظمیں، بھجن اور گیت لکھے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ لوگ جو زبان بولتے تھے اُسے آریائی زبان کہتے ہیں۔ سنسکرت اُسی کی ایک شاخ ہے۔ یونانی، جرمن، پُرانے زمانے کی فارسی اور یورپ کی کئی زبانیں اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور جب تم آگے بڑھ کر ان زبانوں کو پڑھو گے تو معلوم ہوگا کہ سب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ زبانوں کی کہانی بڑی لمبی ہے۔ مزے دار ہے مگر یہاں اُس کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے، بس یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سنسکرت انھیں ہندوستانی آریوں کی زبان تھی۔ تمام لوگ سنسکرت نہیں بول سکتے تھے۔ یہاں پُرانے بسنے والے یا تو اپنی پُرانی بولیاں بولتے تھے یا ملی جلی زبانیں۔ دھیرے دھیرے یہ ہوا کہ سنسکرت اُنچے ذات کے ہندوؤں کی زبان ہو کر رہ گئی، عام لوگ اُس سے دُور ہو گئے۔ یہ لوگ جو زبانیں بولتے تھے اُن کو پراکرت کہتے ہیں۔ پراکرت ایک زبان نہیں تھی بلکہ الگ الگ علاقوں کی الگ الگ پراکرتیں تھیں۔

ہندوستان لمبا چوڑا ملک تو ہے ہی، کسی حصے میں کوئی پراکرت بولی جاتی تھی کسی میں کوئی۔ اب جو بدھ مت کا مقابلہ کرنے کے لیے سادھو اور سنت پیدا ہوئے تو انھوں نے بھی عام لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے پراکرتوں ہی میں گیت اور بھجن لکھے اور دھرم کرم کی باتیں کیں۔ اس وقت دوسری پراکرتوں یا زبانوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اُتری بھارت میں جو پراکرت بولی جاتی تھی، ہمیں اسی سے کام ہے۔ اس پراکرت کو شورسینی کہتے تھے۔ اُسی کے پیٹ سے وہ بھاشائیں پیدا ہوئیں جن کو ہندوستانی، ہندی اور اُردو کہتے ہیں۔

بنگالی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی، سندھی، آسامی اور اڑیا بھی نئی آریائی زبانیں ہیں۔ یہ بھی تاریخ کا ایک دلچسپ اتفاق ہے کہ جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو ان زبانوں کی بھی ترقی ہوئی۔

اگر اُوپر لکھی ہوئی باتیں یاد رکھی جائیں تو آگے کی کہانی اور زیادہ سمجھ میں آئے گی۔ اور معلوم ہوگا کہ 1000ء کے بعد سے جو نئی زبانیں ہندوستان میں بولی جانے لگیں، ان میں ایک اُردو زبان بھی ہے۔ یہ زبان کہیں باہر سے نہیں آئی، یہیں پیدا ہوئی اور یہیں کے لوگوں نے اُسے ترقی دی۔ اس کی بناوٹ، اس کا رنگ روپ سب ہندوستانی ہے، اگر یہ زبان کسی دوسرے ملک میں بھی بولی جانے لگے تو یہ وہاں کی زبان نہیں بن جائے گی۔ ہندوستانی ہی رہے گی۔

(احتشام حسین)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

دیش	:	ملک، دیس
قبیلہ	:	گروہ
پراکرت	:	عوامی بولی، عام بول چال کی زبان

● غور کیجیے:

☆ اردو کا جنم ہندوستان میں ہوا۔ اس کا تعلق ہند آریائی خاندان سے ہے۔ اردو گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے جس کی تشکیل میں ہندوستان کی مختلف بولیوں اور زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1۔ ہندوستان کی خصوصیات کیا ہیں؟
- 2۔ ہندوستان کی قبائلی نسلوں کے نام کیا ہیں؟
- 3۔ دراوڑ کون سی زبانیں بولتے ہیں؟
- 4۔ سنسکرت کس زبان کی شاخ ہے؟
- 5۔ اُتر بھارت میں کون سی پراکرت بولی جاتی تھی؟
- 6۔ ہند آریائی زبانیں کون کون سی ہیں؟
- 7۔ اردو کہاں پیدا ہوئی اور کس زبان سے نکلی ہے؟

● عملی کام:

☆ استاد کی مدد سے اردو زبان سے متعلق ایک مضمون لکھیے۔



میر انیس

(1802 – 1874)

میر انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام میر بر علی تھا۔ ان کے والد میر خلیق بھی ایک معروف مرثیہ گو تھے۔ مرثیہ گوئی کی تاریخ میں میر انیس کا بڑا مرتبہ ہے۔ انیس کے مرثیے کی بہت سی خوبیوں میں بیان کی صفائی، سلاست اور جذبات نگاری کی خاص اہمیت ہے۔ مناظر فطرت کی تصویر کشی اور ڈرامائی تاثر کو ابھارنے میں بھی انھیں بڑی مہارت تھی۔

میر انیس نے مرثیوں کے علاوہ رباعیاں، نوے اور سلام بھی لکھے ہیں لیکن اردو شاعری کی تاریخ میں وہ اپنے مرثیوں کی ہی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔



5022CH08

رباعیات

(1)

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(2)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

مشق

● معنی یاد کیجیے:

مرتبہ، درجہ	:	رُتبہ
اکساری، عاجزی	:	فروتنی
جن کا دماغ خالی ہو، مراد کم عقل لوگ	:	تہی مغز
تعریف	:	ثنا
برتن	:	ظرف
آواز	:	صدا

سرائے : مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ
فانی : مٹ جانے والا

● غور کیجیے:

- ☆ عربی میں چار کواربع کہتے ہیں۔ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں، اس لیے اسے رباعی کہا جاتا ہے۔
- ☆ رباعی کے پہلے، دوسرے اور آخری مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔
- ☆ رباعی کی ایک خاص ہیئت ہوتی ہے اور اس کے اوزان بھی مقرر ہیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1۔ دل میں فروتنی کو جگہ کون دیتا ہے؟
- 2۔ اپنی ثنا آپ کون کرتا ہے؟
- 3۔ خالی ظرف کے صدا دینے سے کیا مراد ہے؟
- 4۔ شاعر نے دنیا کو سرائے فانی کیوں کہا ہے؟
- 5۔ بڑھاپا اور جوانی کے لیے شاعر نے کیا فرق بتایا ہے؟

● عملی کام:

- ☆ انیس کے علاوہ دوسرے رباعی گو شعرا کی رباعیاں پڑھیے۔

لوک کہانی

یہ سبق اپنی زبان کی ایک لوک کہانی پر مشتمل ہے۔ لوک کہانی کسی معاشرے کے افراد میں سنی سنائی جانے والی ایسی کہانی ہوتی ہے جس میں فطرت، انسان اور ماحول کی دوسری تفصیلات کے متعلق روایتوں کو اخلاقی تعلیم و تربیت کی خاطر کہانی کے روپ میں بیان کیا جاتا ہے۔

اس کہانی میں خدا پر ایک کسان کے پختہ یقین کو اس ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے کہ اس سے باہمی ہمدردی اور انسان دوستی کی تصویر کشی ہو جاتی ہے۔

© NCERT
not to be republished



5022CH09

خدا کے نام خط

اس وادی کا اکلوتا مکان ایک چھوٹی سی چٹان کے اوپر بنا ہوا تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر بہتے ہوئے دریا، مٹر اور پنے کے کھیتوں کو بہ خوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ یہ کھیت بڑی عمدہ فصل دیتے تھے۔ اور انھیں جس چیز کی بے حد ضرورت تھی وہ بارش تھی۔ لین شواپنی زمین اور کھیتوں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ وہ آج صبح سے بار بار آسمان دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے تشویش ناک لہجے میں کہا:

”بی بی! میرا قیاس ہے کہ آج بارش ہوگی۔“

بی بی! نے جو اس وقت کھانا تیار کر رہی تھی، یہ سن کر جواب دیا:

”ہاں، آج کسی بھی وقت بارش ہو سکتی ہے اگر رب چاہے تو.....“

اُس وقت بڑی عمر کے لڑکے کھیتوں میں کام کر رہے تھے اور چھوٹے بچے مکان کے نزدیک کھیل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بی بی نے انھیں آواز دی:

”آ جاؤ، سب آ جاؤ، کھانا تیار ہے۔“

جب سب مل کر کھانا کھا رہے تھے تو جیسا کہ لین شوا نے قیاس آرائی کی تھی، بارش ہونے لگی۔ بارش کے شفاف قطرے زمین پر برس رہے تھے اور آسمان پر شمال کی جانب سے بادلوں کے پہاڑ چلے آ رہے تھے۔ ہوا بھی تیز تھی۔ لین شوا باہر کھیتوں میں نکل گیا۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ بارش سے پیدا ہونے والی ترنگ کو اپنے تن میں رواں دواں دیکھے۔ جب وہ گھر میں واپس آیا تو جذباتی اور جوشیلی آواز میں بولا:

”جو کچھ اس وقت آسمان سے برس رہا ہے وہ بارش کے قطرے نہیں بلکہ سکتے ہیں، بڑے اور چھوٹے۔“

پھر اس نے بڑے اطمینان سے یہ بھی کہا کہ غلے کے کھیت اور مٹر کے نئے نئے کھلے ہوئے پھول بارش کی چادریں اوڑھ کر بہت خوش ہیں۔ ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا کہ یک بارگی تند و تیز آندھی اُٹھی پھر بارش کے ساتھ ڈالہ باری ہونے لگی۔ اولے واقعی

چاندی کے گول گول ڈلوں سے مشابہ تھے۔ بچوں نے یہ دیکھا تو لپک کر اندر سے باہر آ گئے اور انہیں چُپنے میں جُٹ گئے۔ بچے خوش تھے لیکن ان کا باپ فکر مند ہو کر خود سے کہنے لگا ”اب تو معاملہ بگڑنے لگا ہے، لیکن پھر بھی مجھے امید ہے کہ سب کچھ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔“

لیکن سب کچھ ٹھیک نہیں ہوا اور بہت دیر تک اگلے گرتے رہے۔ زمین ایسے سفید ہو گئی، جیسے اس پر نمک کی چادر بچھا دی گئی ہو۔ درختوں پر ایک پتہ بھی نہ رہا۔ غلے کے کھیتوں کا ستیاناس ہو گیا، مٹر کی بیلین اور پودوں کے تازہ پھول ٹوٹ کر بکھر گئے۔ لین شو پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا:

”اگر ان کھیتوں پر ٹڈی دل نے حملہ کیا ہوتا تو بھی ہمارے پاس اس سے زیادہ بچ رہا ہوتا لیکن اس ژالہ باری نے تو ہمیں مفلس اور قلاش بنا دیا ہے۔ اب ہمارے پاس نہ غلہ ہے اور نہ سبزی ہے۔ اس سال تو ہمیں فاقے پہ فاقے کرنا ہوں گے۔ وہ تمام لوگ جو وادی کے اس اکلوتے مکان میں رہتے تھے اپنے دلوں میں ایک ناقابل شکست امید لیے بیٹھے تھے اور ایک اُن دیکھی قوت پر تکیہ کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا:

”دل چھوٹا مت کرو، ہمت مت ہارو۔“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ بھوک سے کوئی نہیں مرتا۔“

لین شو کے تمام خیالات اپنی آخری امید یعنی آسانی امداد کے گرد گھومتے رہے۔ اس کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ



سب کا پالن ہار بڑا رحیم اور کریم ہے۔ انسان کے دل کی گہرائیوں کی بات جانتا ہے۔ لین شو اپنے کھیتوں میں بیل کی طرح کام کرتا تھا۔ وہ کچھ لکھنا پڑھنا بھی جانتا تھا۔ آئندہ اتوار تک اس نے اپنے آپ کو اس بات کا یہ پختہ یقین دلادیا کہ ایک ان دیکھی محافظ ہستی موجود ہے۔ اس یقین کے بعد اس نے خدا کے نام ایک خط لکھنا شروع کیا۔

”یار بی!“

اگر تو نے میری مدد نہیں کی تو میں اور میرا کنبہ اس سال فاتحوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک سو روپیوں کی اشد ضرورت ہے تاکہ میں کھیتوں کی حالت دوبارہ ٹھیک کر سکوں اور ان میں بوائے کر سکوں اور نئی فصل کی کٹائی تک زندہ بھی رہ سکوں کیوں کہ ڈالہ باری نے ساری فصل تباہ کر دی ہے۔“

لفافے پر پتے کی جگہ اس نے یہ الفاظ لکھے:

”یہ خط خدا کو ملے“

اس کے بعد اس نے لفافے کو بند کیا اور غم گین دل کے ساتھ شہر کی طرف چل دیا۔ ڈاک خانے پہنچ کر اس نے ٹکٹ خریدے، لفافے پر چپکائے اور لفافہ سپرد ڈاک کر دیا۔

اس ڈاک خانے کے ایک ڈاکے نے جو خطوں کی تقسیم کے ساتھ ان کی چھٹائی کا کام کیا کرتا تھا، ہنستے ہوئے یہ لفافہ اپنے افسر کو پیش کر دیا۔ اپنی ساری ملازمت کے دوران اس نے اس پتے پر کبھی ڈاک نہیں پہنچائی تھی۔ پوسٹ ماسٹر ایک خوش مزاج اور دردمند دل کا آدمی تھا وہ بھی اس لفافے کو دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا لیکن قہقہوں کے درمیان وہ یک بارگی، خاموش اور سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے لفافہ میز پر رکھ دیا اور کہنے لگا:

”واہ، واہ! کیا پختہ ایمان ہے، کاش مجھے بھی ایسا ایمان نصیب ہوتا اور میں بھی ایسے ہی یقین کا حامل ہوتا۔ کیا بات لکھنے والے کی جس نے ایک پختہ امید پر خدا سے خط و کتابت شروع کر دی، واہ، واہ۔“

پھر اس نے سوچا ایسے پختہ ایمان اور امید کو پاش پاش کرنا اچھا نہیں۔ اس نے اپنے ماتحتوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خط پڑھا جائے اور اس کا جواب دیا جائے۔ جب لفافہ چاک کیا اور خط پڑھا تب اندازہ ہوا کہ اس خط کا جواب کاغذ، قلم، دوات، روشنائی، دردمندی اور نیک دلی سے کچھ زیادہ کا طلب گار ہے۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو ساری بات بتا کر چندے کی درخواست کی اور خود بھی ایک اچھی خاصی رقم پیش کی۔ اس کے عملے نے اس کا رِخیر میں حسبِ توفیق ہاتھ بٹایا۔

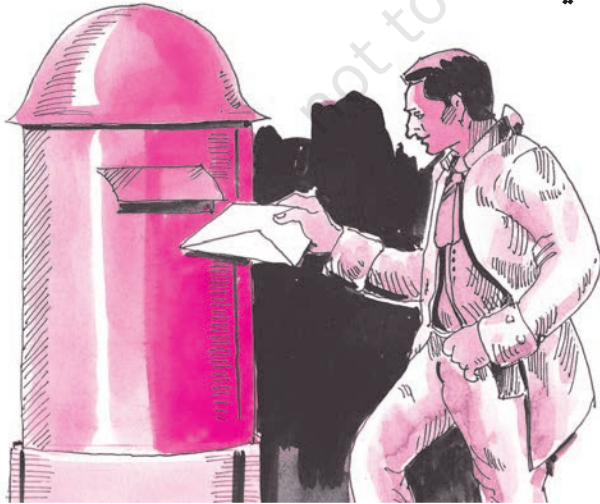
لین شونے جس قدر رقم طلب کی تھی اتنی تو جمع نہ ہو سکی پھر بھی اس کے نصف سے کچھ زیادہ کا انتظام ہو گیا۔ پوسٹ ماسٹر نے تمام نوٹ ایک لفافے میں بند کیے پھر اس پر لین شو کا پتہ تحریر کیا اور ایک چٹھی لکھ کر لفافے میں رکھ دی جس پر دست خط کے طور پر صرف اتنا لکھا تھا۔

”خدا“



اگلے اتوار کو پھر لین شوڈاک خانے میں آیا اور پوچھا کہ کیا اس کے نام کوئی خط آیا ہے؟ پوسٹ ماسٹر نے لین شوڈاک خط اس کے حوالے کیا اور اس کا رُخیر کے انجام دینے پر ایک طرح کی خوشی محسوس کی۔ اس کے بعد وہ دروازے کی دراز سے لین شوڈاک کیفیات دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ نوٹ پا کر لین شوڈاک کوئی حیرت نہیں ہوئی ہے۔ اس کو تو جیسے اس بات کا پختہ یقین تھا کہ یہ رقم تو اس کو ملنے ہی والی ہے۔ پھر جب اس نے رقم گن لی تو بگڑ گیا اور بڑبڑانے لگا۔

”خدا نے تو ہرگز ایسی غلطی نہیں کی ہوگی اور نہ اُس کے پاس اس چیز کی کمی ہے جو میں نے اس سے خط کے ذریعے طلب کی تھی۔ وہ تو اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے۔“



پھر کچھ سوچ کر ڈاک خانے کی کھڑکی پر گیا، کاغذ قلم طلب کیا اور پھر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی پر ابھرنے والی لکیریں بتا رہی تھیں کہ وہ جملے بنانے کے لیے اپنے ذہن کو بُری طرح ٹٹول رہا

ہے۔ اسی کیفیت میں اس نے خط بہ مشکل پورا کیا اور اچھی طرح دیکھ بھال کے اسے لفافے میں بند کیا پھر ٹکٹ خریدا اور اس کو ایک زوردار مٹکے کے ساتھ بند کر دیا۔

پھر جیسے ہی خط لیٹر بکس میں گرا تو ڈاکیے نے فوراً ہی اسے نکال لیا۔ خط پڑھا گیا، اس میں لکھا تھا۔
”یار بٹی!“

جو رقم میں نے طلب کی تھی، اس میں سے مجھے صرف ستر روپے ہی ملے ہیں۔ باقی رقم بھی فوراً ارسال کریں۔ مجھے اس کی شدید ترین ضرورت ہے۔ لیکن اب باقی رقم ڈاک کے ذریعے ہرگز نہ بھیجیں کیونکہ اس ڈاک خانے کے ملازمین بے ایمان اور بددیانت ہیں۔“

(گریگور یولو پیٹنز فو آنتے)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

اندازہ	:	قیاس
سمجھ	:	تفہیم
صاف	:	شفاف
جوش، خوشی	:	ترنگ
غربت	:	قلّاش
ٹکڑے ٹکڑے کرنا	:	پاش پاش کرنا
نیک کام	:	کارِ خیر
بے ایمان	:	بددیانت

● غور کیجیے:

☆ نقصان ہو جانے کے باوجود انسان کو ہمت نہیں ہارنا چاہیے اور نہ ہی ناامید ہونا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- لین شو نے بی بی سے کیا قیاس آرائی کی؟
- 2- لین شو بارش میں کھیتوں کی طرف کیوں گیا؟
- 3- ژالہ باری سے کیا نقصانات ہوئے؟
- 4- لین شو نے خدا کے نام خط میں کیا لکھا؟
- 5- لین شو نے لفافے پر کیا پتہ لکھا؟
- 6- پوسٹ ماسٹر نے لین شو کا خط پڑھنے کے بعد کیا کیا؟
- 7- لین شو نے پہلے خط کا جواب ملنے کے بعد دوسرے خط میں خدا کو کیا لکھا؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

اکلوتا ملازمین نیک دلی پختہ یقین تکلیف کرنا پالن ہار

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

نزدیک تیز شکست پختہ موجود شہر

● واحد کی جمع لکھیے:

مکان چادر روح سبزی افسر خط

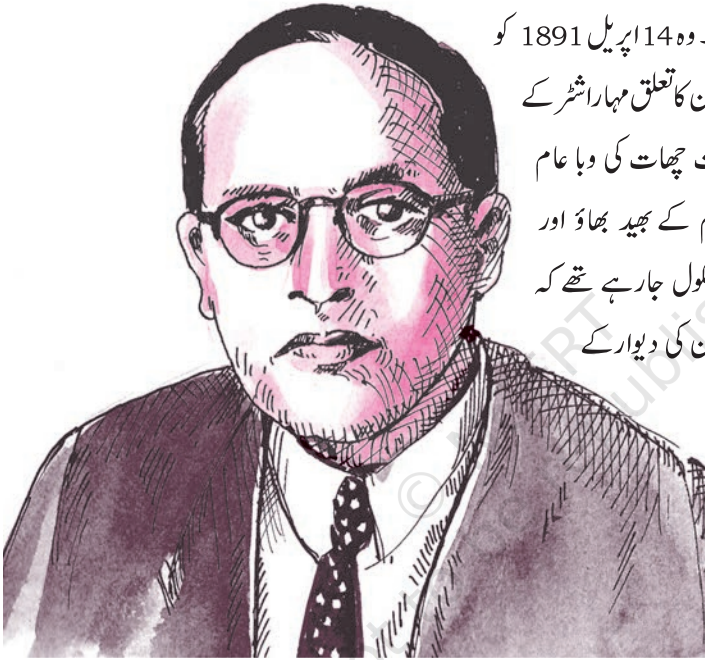
● عملی کام:

☆ خدا کے نام لکھے گئے لین شو کے خطوں کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔



5022CH10

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر



ڈاکٹر امبیڈکر کا اصل نام بھیم راؤ سکپال تھا۔ وہ 14 اپریل 1891 کو مدھیہ پردیش کے قصبہ مہو میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق مہاراشٹر کے مہار خاندان سے تھا۔ اس زمانے میں چھوت چھات کی وبا عام تھی۔ ڈاکٹر امبیڈکر کو بچپن ہی سے اس قسم کے بھید بھاؤ اور نا انصافی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک دفعہ وہ اسکول جارہے تھے کہ بہت زور کی بارش شروع ہوگئی۔ وہ ایک مکان کی دیوار کے سہارے کھڑے ہونا چاہتے تھے۔ مکان کی مالکہ نے انھیں ڈانٹا اور وہاں سے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ چھوٹی ذات کا کوئی فرد اس کے مکان کی دیوار کے پاس کھڑا رہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر اپنے اُستادوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ستارا کے ایک اسکول میں امبیڈکر نامی ایک اُستاد تھے جو ذات پات کی تفریق کو نہیں مانتے تھے۔ وہ سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے۔ وہ بھیم راؤ کو بہت چاہتے تھے۔ اُستاد اور شاگرد کا یہ رشتہ ایسا مضبوط ہوا کہ آگے چل کر وہ بھیم راؤ سکپال سے بھیم راؤ امبیڈکر بن گئے۔

تعلیم حاصل کرنے کے لیے امبیڈکر کو کئی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان کے دل میں علم حاصل کرنے کا شوق اور محنت کا جذبہ تھا، اس لیے وہ آگے ہی بڑھتے گئے۔ آخر کار اعلیٰ تعلیم کے لیے انھیں انگلستان جانے کا موقع مل گیا۔ انگلستان سے واپسی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے ملک سے چھوت چھات اور ذات پات کی تفریق مٹانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ چھوت چھات کی اس لعنت نے ملک کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس کی وجہ سے ملک کا ایک بڑا طبقہ غربت اور جہالت کا شکار رہا۔

امبیڈکر نے اپنے جیسے کمزور انسانوں پر ہونے والے ظلم اور نا انصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ گاؤں گاؤں اور شہر شہر جا کر لوگوں کو بیدار کیا۔ ان کے دل سے خوف دور کیا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا خیال تھا کہ سماج میں باعزت زندگی گزارنے کے لیے تعلیم بے حد ضروری ہے۔ تعلیم بہت سی برائیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ انھوں نے کمزور طبقوں کی تعلیم کے لیے کئی ادارے قائم کیے، اسکول اور کالج کھولے۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ترقی پر بھی توجہ دی۔ ان کے لیے سماج میں برابری کے حقوق کی وکالت کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ہمیشہ قومی اتحاد اور یگانگت پر زور دیا۔ ان کا اہم کارنامہ ہمارے ملک کا دستور ہے۔ جب ہمارا ملک آزاد ہوا تو اس کا دستور بنانے کی ذمہ داری ڈاکٹر امبیڈکر کو سونپی گئی۔ اسی لیے انھیں بھارت کے دستور کا معمار کہا جاتا ہے۔ بھارت کا یہ عظیم رہنما 6 دسمبر 1954 کو اس دنیا سے چل بسا۔

مشق

● معنی یاد کیجیے:

تفریق	:	فرق کرنا
خود اعتمادی	:	اپنے آپ پر بھروسہ
حقوق	:	حق کی جمع
معمار	:	تعمیر کرنے والا، بنانے والا
عظیم	:	بڑا
ذات	:	برادری، طبقہ
اعلیٰ	:	اونچا، بڑا، عمدہ
آخر کار	:	نتیجے کے طور پر

لعنت : ناپسندیدہ چیز، برائی، خرابی
 بیدار کرنا : جگانا
 دستور : آئین، قانون

● غور کیجیے:

☆ ہر انسان برابر ہے۔ سماج میں سبھی کو برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ قانونی طور پر کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- ڈاکٹر امبیڈکر کا پورا نام کیا تھا؟ ان کا تعلق کس خاندان سے تھا؟
- 2- بھیم راؤ کے نام میں امبیڈکر کیوں شامل ہوا؟
- 3- چھوت چھات سے ملک کو کیا نقصان پہنچا؟
- 4- بھیم راؤ امبیڈکر کا سب سے اہم کارنامہ کیا ہے؟

● قواعد

☆ بے جان چیزوں میں بھی مذکر اور مؤنث کا فرق پایا جاتا ہے۔ جیسے ”دروازہ کھلا ہے“، ”کھڑکی کھلی ہے“، ”دیوار اونچی ہے“، ”مکان بڑا ہے“۔ ان میں ’دروازہ‘، ’مکان‘، ’مذکر کے طور پر اور ’کھڑکی‘، ’دیوار‘ مؤنث کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

● نیچے دیے ہوئے لفظوں میں مذکر اور مؤنث چھانٹ کر لکھیے:

مصبیت	راستہ	تعلیم	رکاوٹ	محنت	موقع
جہالت	ظلم	خوف	قوم		

● خالی جگہوں کو مناسب لفظوں سے بھریے:

- 1 - امبیڈکر کا اصل نام..... تھا۔ (بھیم راؤ امبیڈکر، بھیم راؤ سکپال)
- 2 - تعلیم حاصل کرنے کے لیے امبیڈکر کوئی..... کا سامنا کرنا پڑا۔ (رکا ڈٹوں، مجبوریوں)
- 3 - چھوت چھات کی..... نے ملک کو کافی نقصان پہنچایا۔ (لعنت، پھٹکار)
- 4 - سماج میں باعزت زندگی گزارنے کے لیے..... بے حد ضروری ہے۔ (تعلیم، ترقی)

● عملی کام:

☆ ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کے حالات پر مختصر مضمون لکھیے۔



شیخ محمد ابراہیم ذوق

(1788 – 1854)

ذوق کا اصل نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ وہ ایک سپاہی کے بیٹے تھے۔ انھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن اپنی ذہانت اور محنت سے علمی صلاحیت پیدا کر لی تھی۔ وہ شاہ نصیر کے شاگرد اور بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے انھیں 'ملک الشعراء' اور 'خاقانی ہند' کے خطابات دیے۔ ذوق نے کئی اصناف میں اظہار خیال کیا ہے۔ ان کی اصل پہچان قصیدہ نگار کی ہے بالخصوص بہادر شاہ ظفر پر لکھے ہوئے قصائد کا مرتبہ بلند ہے۔ لیکن وہ غزل کے بھی ایک قابل ذکر شاعر ہیں۔

ذوق نے اپنے کلام میں نیا پن پیدا کرنے اور زبان اور محاورے کی صفائی پر خاص توجہ دی ہے۔



5022CH11

غزل

لائی حیات، آئے، قضا لے چلی، چلے
 ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بہ وقتِ مرگ
 ہم سے بھی اس بساط پہ کم ہوں گے بد قمار
 بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
 اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے
 ہم کیا رہے یہاں، ابھی آئے، ابھی چلے
 جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے
 پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

نازاں نہ ہو خرد پہ، جو ہونا ہے ہو وہی
 دانش تری، نہ کچھ مری دانش وری چلے

(شیخ محمد ابراہیم ذوق)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

حیات	:	زندگی
قضا	:	موت
عمرِ خضر	:	مراد لمبی عمر
مرگ	:	موت

بساط	:	وہ خانے دار کپڑا جو چوسر یا شطرنج کھیلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے
بدقمار	:	ناکام جواری
نازاں ہونا	:	ناز کرنا، فخر کرنا
خرد	:	عقل
دانش	:	سمجھ بوجھ
دانش وری	:	ہوشیاری، سمجھ داری، زیادہ علم رکھنا

● غور کیجیے:

اس غزل کے ہر شعر کے آخر میں لفظ ”چلے“ آیا ہے۔ اسے ردیف کہتے ہیں۔
 ”چلے“ ردیف سے پہلے چلی، خوشی، ابھی، بُری اور دل لگی جیسے ہم آواز الفاظ استعمال ہوئے ہیں، انھیں قافیہ کہتے ہیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- پہلے شعر میں شاعر کیا بات کہنا چاہتا ہے؟
- 2- ”ابھی آئے، ابھی چلے“ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- 3- دنیا سے دل لگانے کے کیا معنی ہیں؟
- 4- شاعر نے عقل پر فخر کرنے سے کیوں منع کیا ہے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

حیات خوشی بہتر مرگ بُری

● عملی کام:

☆ اس غزل کو یاد کیجیے۔



پروفیسر محمد مجیب

(1902 – 1985)

محمد مجیب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ 1918 میں سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ 1919 میں وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ گئے۔ 1922 میں بی۔ اے آنرز پاس کیا۔ لندن میں انھوں نے فرانسیسی اور لاطینی سیکھی۔ وہاں سے برلن گئے اور جرمنی زبان میں بھی کمال حاصل کیا۔

وطن واپسی کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ 1948 میں انھوں نے شیخ الجامعہ کی ذمہ داری سنبھالی اور اسی عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

انھیں کتب بینی، فنِ تعمیر، سنگ تراشی، مجسمہ سازی، مصوری، موسیقی اور باغبانی سے دلچسپی تھی۔ علمی میدان میں تاریخ نگاری ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ دنیا کی کہانی (1931)، تاریخِ فلسفہ سیاست (1936)، تاریخِ تمدن ہند (1957) اور روسی ادب کی تاریخ دو جلدیں (1960) ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ پروفیسر مجیب کو ادب سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے ڈرامے پر خصوصی توجہ دی اور آٹھ ڈرامے لکھے۔ ان میں سے ’کھیتی‘، ’انجام‘، ’خانہ جنگی‘ اور ’آزمائش‘ جامعات کے نصاب میں شامل رہے ہیں۔ بچوں کے لیے ایک ڈراما ”آؤ ڈراما کریں“ بھی لکھا۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے جن میں ’کیمیا گر‘، ’باغی‘، ’چراغِ راہ‘، ’اندھیرا‘ اور ’پتھر‘ مقبول ہوئے۔ وہ ایک کامیاب مترجم بھی تھے۔ ان کی قومی، علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے انھیں ’پدم بھوشن‘ کا خطاب دیا۔



5022CH12

آدمی کی کہانی

آج کل کے عالم کہتے ہیں کہ ہماری دنیا پہلے آگ کا ایک گولا تھی، اُس آگ کا نہیں جو ہمارے گھروں میں جلتی ہے۔ یہ ایک اور ہی آگ تھی جو بن جلائے جلی اور بن بجھائے بجھ گئی۔ شاید یہ وہ چیز تھی جسے ہم بجلی کہتے ہیں۔ لیکن کبھی نہ کبھی دنیا آگ کا گولا تھی ضرور، کیوں کہ ہمیں ایسے ہی لاکھوں، کروڑوں آگ کے گولے آسمان میں چکر کھاتے دکھائی دیتے ہیں اور ہماری زمین پر اب بھی آتش فشاں پہاڑ جب چاہتے ہیں دہتی آگ اُگل دیتے ہیں یا زمین کے اندر سے کھولتے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ دوسرے آگ کے گولے جو دنیا سے بہت بڑے اور بہت زیادہ پُرانے ہیں، اب تک آگ ہی آگ ہیں۔ دنیا میں یہ آگ، پانی اور زمین کیوں بن گئی یہ ہمیں نہیں معلوم۔ بس ہماری قسمت میں کچھ بھی لکھا تھا۔

ہاں تو پھر ایک وقت آیا جب دنیا سرد پڑ گئی۔ بھاپ اور دوسری گیسیں پانی ہو گئیں۔ جو زیادہ ٹھوس حصہ تھا، وہ چٹان بن گیا۔ یہ سب ہوا کب؟ آج کل کے عالم زمین کی ساخت سے، چٹانوں اور دھاتوں سے کچھ حساب لگا سکتے ہیں لیکن یہ حساب سیکھ دس سیکھ برس کے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ بے چارے آدمی کی کھوپڑی میں سائنس کا یہ حساب سمجھ نہیں سکتا۔

دنیا جب سرد پڑ گئی تو کہیں سے سمندر کی تہ میں زندگی کا بیج پہنچ گیا۔ وہاں وہ بھٹا اور پھٹا پھولا لاکھوں کروڑوں برس میں طرح طرح کے بھیس بدلے۔ آہستہ آہستہ یعنی وہی لاکھوں کروڑوں برس میں اس نے پودوں اور کیڑوں کی صورت میں خشکی کی طرف قدم بڑھایا۔ پانی کے بغیر یعنی سانس لے کر زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کی۔ پودے اونچے ہونے لگے اور سر اٹھا کر آسمان کی طرف لپکے۔ جو کیڑے تھے وہ مچھلی بن کر تیرے۔ اُتھلے پانی میں پاؤں کے بل چلے، خشک زمین پر رینگنا شروع کیا، ہوا میں پرند بن کر اُڑے، چوپایوں کا روپ لے کر دوڑنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اُتھلے پانی اور خشکی میں زندگی نے جو یہ ابتدائی شکلیں پائیں وہ بڑی بھیانک تھیں۔ چالیس فٹ لمبے مگر مچھ، بیس بیس ہاتھ اونچے ہاتھی، کسی جانور کی گردن اتنی لمبی کہ ہوا میں اڑتے پرندوں کو پکڑ لے، کسی کا منہ دُم کے سرے تک سو فٹ سے زیادہ لمبا ہوگا۔ ان جانوروں کو جو نام دیے گئے ہیں وہ بھی ایسے بھیانک ہیں بڑو سَورس، اگتھیو سَورس، میگسلو سَورس وغیرہ لیکن دنیا کو شاید اپنی یہ اولاد پسند نہ تھی۔ یا یہ جانور بڑھتے بڑھتے ایسے بے ڈول ہو گئے کہ زندہ رہنا دشوار ہو گیا۔ بہر حال وہ غائب ہو گئے اور جب تک آج کل کے سائنس دانوں کو ان کی ہڈیاں نہیں

ملیں کسی کو پتا بھی نہ تھا کہ ایک زمانے میں ایسے دیو اور اژدھے ہماری دنیا میں آباد تھے۔

خشکی پر ان بڑے جانوروں کے بعد جو نئے نمونے نظر آئے وہ تھے تو ایسے ہی ڈراؤ نے مگر ان میں آج کل کے جانوروں کی یہ صفت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو شروع میں دودھ پلا کر پالتے تھے۔ ایسے جانور پہلی قسم کے جانوروں سے زیادہ سخت جان نکلے اور دنیا کی مصیبتوں کو جھیل لے گئے، پھر بھی ان کی بہت سی قسمیں مر گئیں۔ جو باقی بچیں، ان کے بھی جسموں میں ایسی تبدیلیاں ہوتی رہیں کہ وہ موسم کی سختیوں کو اچھی طرح برداشت کر سکیں اور دوسرے جانوروں سے اپنی جان بھی بچا سکیں۔ اس طرح ترقی کرتے کرتے جانوروں کی ایک قسم نے ایسی شکل پائی ہوگی جو آدمیوں کی شکل سے کچھ ملتی ہوگی۔ جانوروں کی اس قسم کو آسانی سے بن مانس کہہ سکتے ہیں۔ ان بن مانسوں نے چار پیروں کی جگہ دو پیروں سے چلنا سیکھا اور اگلے دو پیروں سے پکڑنے، اٹھانے اور پھینکنے کا کام لینے لگے۔ قدرت نے ان کی مدد کی اور ان کے اگلے دو پیروں کی طرح ہو گئے۔ ان کی زبان بھی کچھ کھل گئی اور وہ دوسرے جانوروں سے بہت زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

یہ سب ہزاروں برس میں ہوا اور پھر کہتے ہیں کہ دنیا کی آب و ہوا بدلی۔ وہ ایسی ٹھنڈی پڑی کہ اس کا بہت سا حصہ برفستان ہو گیا اور برف کے کھسکے پھسلتے پہاڑوں نے سب کچھ اپنے تلے روند ڈالا۔ پھر گرمی آہستہ آہستہ بڑھی۔ برفستان پگھل کر سمندر ہو گئے اور زندگی پھر ابھری اور پھیلی۔ اس طرح چار مرتبہ ہوا اور اس وقت زمین میں کئی سو گز نیچے تک ہمیں جو کچھ ملتا ہے وہ انہی گرمی اور سردی کے پھیروں کی داستان سناتا ہے۔ اس زمانے میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ بن مانسوں کا برا حال ہوا ہوگا۔ ان میں سے بعض کی ایک دو ہڈیاں برف کے نیچے اور جانوروں کی ہڈیوں کے ساتھ دفن ہو گئیں اور اب زمین کے اندر بہت دور پڑی ہیں۔ جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کروڑ یا لاکھ برس پہلے آباد تھے اور ان کے زمانے میں زمین کی کیا صورت تھی۔ لیکن انھوں نے اس دوران میں شاید دو چار باتیں سیکھ لی تھیں جو بہت کام کی تھیں۔ کہیں جنگلوں کو جلتے دیکھ کر انھوں نے پتہ لگا لیا تھا کہ آگ کیسے جلاتے ہیں اور پھر وہ اپنی کھوہوں اور غاروں میں آگ جلا کر تاپنے لگے اور اس میں جانوروں کا گوشت اور شاید چند پھلوں اور چیزوں کو بھوننے لگے۔ وہ پتھروں کو گھس کر ان سے بھونکنے، چھیلنے اور کاٹنے بھی لگے اور اس نے ان کی زندگی کو کچھ اور آسان کر دیا۔ آج کل کا علم بتاتا ہے کہ ہم انہی بن مانسوں کی اولاد ہیں اور جیسے جانور ترقی کرتے کرتے بن مانس ہوئے تھے ویسے ہی بن مانس آدمی ہو گئے۔ لیکن آج کا علم بن مانسوں کی کسی ایک قسم سے ہمارا رشتہ نہیں جوڑتا۔ ہیں تو ہم ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے لیکن ہم جس خاص نمونے پر بنے ہیں اس کی پہلی مثالیں ابھی تک نہیں ملی ہیں۔

(پروفیسر محمد مجیب)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

آتش فشاں	:	آگ اگلنے والا
ساخت	:	بناوٹ
سنگھ	:	سوکھرب
کھوپڑی میں نہ سمانا	:	سمجھ میں نہ آنا
صفت	:	خاصیت
سخت جان	:	تکلیف برداشت کرنے والے
تلے	:	نیچے
روند ڈالنا	:	کچل دینا
داستان	:	لمبی کہانی، فلشن کی ایک قسم
کھوہ	:	غار
ایک ہی تھیلی کے	:	ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھنا، ایک ہی جیسی خصوصیات رکھنا
چٹے بٹے ہونا	:	پرانا، قدیم
قدیمی	:	

● غور کیجیے:

☆ ہماری دنیا ایک دم نہیں بن گئی بلکہ اس کے بننے میں خاصہ وقت لگا ہے اور یہ درجہ بہ درجہ اپنی تکمیل کو پہنچی ہے۔ یہ دنیا انسان اور حیوان سبھی کے لیے بنائی گئی ہے۔ سبھی جانداروں کو جینے کا حق حاصل ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1۔ زمین سے بڑے آگ کے گولے کون سے ہیں؟
- 2۔ زمین کی بناوٹ سے زمین کی عمر کا اندازہ کس طرح لگایا جاسکتا ہے؟
- 3۔ زمین پر مختلف جانداروں کی نشوونما کیسے ہوئی؟
- 4۔ دودھ پلانے والے جانور بڑے بڑے ڈول جانوروں سے زیادہ سخت جان کیوں نکلے؟
- 5۔ زمین کے برفستان بن جانے پر جانداروں کا کیا حال ہوا؟
- 6۔ آگ جلانا سیکھنے کے بعد انسانی زندگی میں کیا تبدیلی ہوئی؟

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں اور کہاوتوں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

کھوپڑی میں نہ سمانا ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہونا بھیس بدلنا

● عملی کام:

☆ زمین پر پائے جانے والے مختلف قدیم جانوروں کی تصویریں جمع کیجیے۔



مرزا غالب

(1797 – 1869)

مرزا اسد اللہ خاں غالب کی ولادت آگرے میں ہوئی۔ ابھی وہ بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے ان کی پرورش کی۔ شادی کے بعد غالب دہلی آ گئے۔ یہاں کے علمی اور ادبی ماحول میں ان کے شعری ذوق کی تربیت ہوئی۔ بہت جلد انھوں نے اپنی الگ پہچان بنالی اور اعلیٰ ادبی مقام حاصل کر لیا۔ غالب نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ دونوں میں ان کا انداز بہت منفرد اور دل کش ہے۔

خیال کی بلندی، مضمون آفرینی اور شوخی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کی شاعری میں انسان کے وجود اور اس کی دنیا کے گہرے مسئلوں کا بیان ملتا ہے۔ غالب جتنے بڑے مفکر تھے اتنے ہی بڑے فنکار بھی تھے۔ اپنے کلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ غالب اپنی صناعی اور اپنی طباعی کے لیے بھی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غالب نے جو بلند مرتبہ شاعری میں حاصل کیا وہی مرتبہ ان کی نثر کو بھی حاصل ہے۔

’دیوان غالب‘ میں بہ مشکل دو ہزار اشعار ہیں لیکن غالب ہندوستان ہی نہیں دنیا کے بڑے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے خطوط کے مجموعے ’اردو معلّے‘ اور ’عودِ ہندی‘ کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔



5022CH13

غزل

کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
 موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
 کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
 شرم تم کو مگر نہیں آتی

(غالب)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

اُمید بر نہ آنا	:	اُمید پوری نہ ہونا
صورت	:	تدبیر، طریقہ
معین	:	طے شدہ
مگر	:	شاید

● غور کیجیے:

’آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنس‘
یہاں ’آگے‘ کے معنی ’پہلے‘ کے ہیں۔
’ورنہ کیا بات کر نہیں آتی‘
یہاں ’کر‘ کے معنی ہیں ’کرنا‘۔ یہ پرانا طریقہ ہے۔ آج کل اس کا استعمال اس طرح نہیں ہوتا۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1۔ ’کوئی صورت نظر نہیں آتی‘ سے کیا مراد ہے؟
- 2۔ دوسرے شعر کا مفہوم بیان کیجیے۔
- 3۔ کعبے جانے سے شاعر کو شرم کیوں آتی ہے؟

● عملی کام:

☆ اس غزل کے قافیے اپنی کاپی میں لکھیے۔



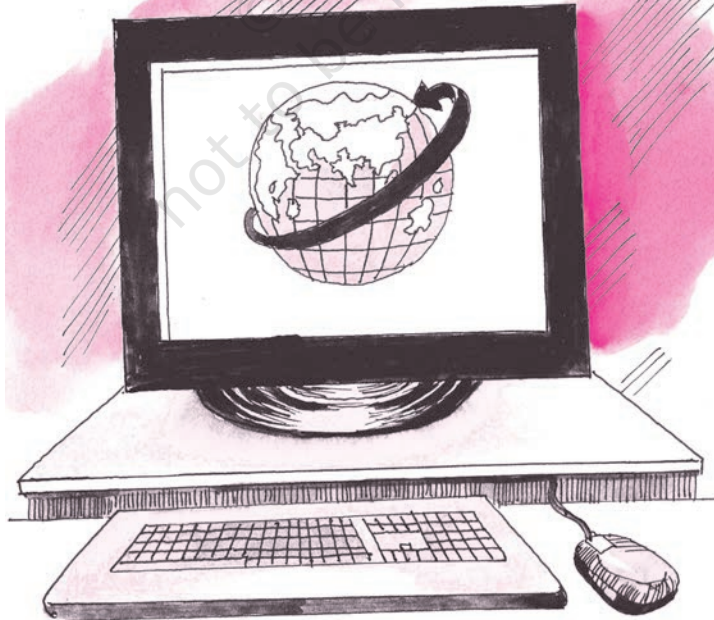
5022CH14

انٹرنٹ

(Internet)

سائنس نے ہمارے لیے بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ہم بیمار پڑ جائیں تو علاج کے لیے بہت سی دوائیں، بہت سی مشینیں مہیا ہیں۔ مواصلاتی نظام پر غور کریں تو خط سے لے کر تار، ٹیلی فون، ٹیلی وژن، موبائل اور اب انٹرنٹ جیسی کئی آسانیاں ہمیں حاصل ہیں۔

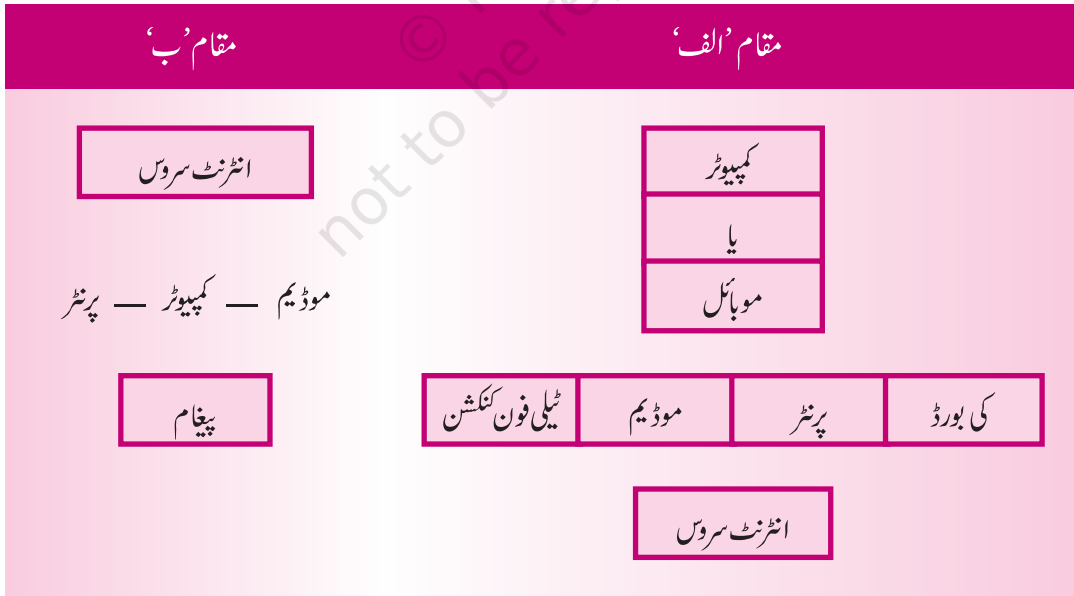
دوسری عالمی جنگ (46 - 1939) کے زمانے میں ایک نئے مواصلاتی نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، ایک ایسا نظام جو بہت تیزی سے کام کر سکے۔ سائنس دانوں نے کمپیوٹر کے ذریعے اس نئے نظام کو کھوج نکالا۔ اسی کو ہم انٹرنٹ کہتے ہیں۔



انٹرنٹ کمپیوٹر نیٹ ورک (Network) کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ دراصل الیکٹرانک سلسلوں کا ایک مجموعہ ہے جو تمام دنیا میں مواصلاتی رشتہ یا وحدت قائم کرتا ہے۔ ہم دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں، انٹرنٹ کے ذریعے کسی سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ رابطے کا یہ طریقہ ای۔میل (e-mail) کہلاتا ہے۔ ای۔میل انٹرنٹ کی ایک ایسی خدمت ہے جس نے ٹیلی فون سے زیادہ تیز تر رابطے کا نہایت آسان طریقہ، بہت کم خرچ پر مہیا کر دیا ہے۔ چونکہ ای۔میل کی سہولت اب موبائل پر بھی دستیاب ہے لہذا تار بچانے اور دیگر زمینی انتظامات کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی ہے۔

کمپیوٹر کی انٹرنٹ یا ای۔میل خدمات حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک موڈیم (MODEM)، دوسری ٹیلی فون یا موبائل کنکشن اور تیسری انٹرنٹ سروس مہیا کرنے والی تنظیم۔ موڈیم ایک آلہ ہے جو کمپیوٹر کے اعداد و شمار اور عبارتوں کو ایک خاص قسم کے اشاروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ اشارے ٹیلی فون یا موبائل لائن کے ذریعے دنیا کے کسی بھی حصے میں بھیجے جاسکتے ہیں۔ انھیں حاصل کرنے والا موڈیم اشاروں کو دوبارہ اعداد و شمار اور عبارت میں بدل دیتا ہے۔ اس طرح ہم آنے والے پیغام کو اپنے کمپیوٹر یا موبائل کے پردے (SCREEN) پر پڑھ سکتے ہیں۔

انٹرنٹ کے ذریعے پیغامات بھیجنے اور وصول کرنے کا طریقہ نیچے دیے ہوئے نقشے کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے:



(نقشہ: 1)

ای۔میل (e-mail) کیا ہے؟

ای۔میل انٹرنٹ خدمات کا ایک حصہ ہے جو پیغامات کو اشاروں میں تبدیل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتا ہے۔ اس کے لیے اوپر بیان کی گئی سہولتوں کے ساتھ ہمیں ای۔میل کا پتا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ ای۔میل کا پتا ہم اپنی مرضی سے مقرر کر سکتے ہیں۔ یہ پتا عام طور پر اپنے پورے نام یا اس کے 'مختف' (مختصر شکل) کو انٹرنٹ سروس کے نام کے ساتھ جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔

فرض کیجیے ہمارا نام سید زاہد علی اور انٹرنٹ سروس کا نام AALOO ہے، اس لحاظ سے ہمارا ای۔میل پتا اس طرح ہو سکتا ہے:

syedzahidali@aaloo.com

یا

sza@aaloo.com

www (ورلڈ وائڈ ویب)

ورلڈ وائڈ ویب کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ تمام دنیا میں پھیلا ہوا ایک الیکٹرانک جال ہے جس کا استعمال ہم دنیا کے ہر حصے میں کر سکتے ہیں۔ اس کے استعمال کے لیے کمپیوٹر پر ویب سائٹ کا فراہم ہونا ضروری ہے۔ ویب سائٹ (website) ایک قسم کا کنکشن ہے جسے انٹرنٹ سروس دینے والی تنظیم فراہم کرتی ہے۔ انٹرنٹ پر ویب سائٹ اور اس کے عمل کو نیچے دیے گئے نقشے سے سمجھا جاسکتا ہے:

موڈیم	ورلڈ وائڈ ویب
ٹیلی فون کنکشن	فائل ٹرانسفر پروٹوکول
سروس مہیا کرانے والا	ٹیل نٹ یونٹ
ویب سائٹ	گورنر



(نقشہ: 2)

فائل ٹرانسفر پروٹوکول (F.T.P)

اس کے ذریعے کسی بھی ویب سائٹ میں محفوظ کی جانے والی اطلاعات کو اپنے کمپیوٹر پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی نقل کی ضرورت ہو تو پرنٹر کے ذریعے نقل بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ٹیل نٹ (Telnet)

اس کی مدد سے کسی بھی دور دراز کے کمپیوٹر کو ہم گھر بیٹھے اپنے کمپیوٹر ہی کی طرح استعمال کر سکتے ہیں۔

یوزنٹ (Usenet)

یہ طریقہ اطلاعات کو بھیجنے اور منگانے کا سب سے تیز رفتار طریقہ ہے۔ اپنی برق رفتاری کی وجہ سے انٹرنٹ کا یہ طریقہ بہت مقبول ہوا ہے۔

بینکوں میں انٹرنٹ کا استعمال (e-banking)

ہم نے شہروں میں اے۔ٹی۔ایم (ATM) کے کاؤنٹر دیکھے ہیں۔ اس کا پورا نام اوٹومیٹک ٹرانزیکشن مشین (AUTOMATIC TRANSACTION MACHINE) ہے۔ یہ مشین انٹرنٹ کے ذریعے کام کرتی ہے۔ ہمارا بینک کھاتا دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو، اسے انٹرنٹ کے ذریعے کہیں بھی استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ بینک ہر کھاتے دار کو ایک پہچان کارڈ جاری کرتا ہے۔ اس کارڈ کو اے۔ٹی۔ایم میں ڈالنے سے کمپیوٹر ہماری پہچان کر لیتا ہے۔ پہچان قائم ہوتے ہی ہم رقم نکال سکتے ہیں اس لیے بینک جانے کی یا فارم بھرنے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بینک کے کلرک خزانچی یا کیشیئر کی بھی ضرورت نہیں۔ بس بٹن دبایا اور اے۔ٹی۔ایم سے گئی گنائی رقم ہمارے ہاتھوں میں آگئی۔

ای۔ٹکٹ (e-ticket)

بینک کی طرح اب ریل، بس اور ہوائی جہاز کی کمپنیاں بھی انٹرنٹ کا استعمال کرنے لگی ہیں۔ ہمیں ٹکٹ لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے جا کر گھنٹوں لائن میں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کمپیوٹر کے ذریعے یا قریب کے سائبر کیفے میں اپنا ٹکٹ بک کر سکتے ہیں۔ ٹکٹ کی رقم ہمارے ای۔بینک اکاؤنٹ سے خود بخود ادا ہو جاتی ہے۔

معلومات کا خزانہ — (انٹرنٹ)

آج کل دنیا کی ہر معلومات انٹرنٹ پر دستیاب ہے۔ تمام اخبارات، اطلاع نامے، اشتہارات اور کتابیں وغیرہ انٹرنٹ پر دے دیے جاتے ہیں۔ ہم اپنے کمپیوٹر پر انھیں بہ آسانی پڑھ سکتے ہیں۔ خود اپنی معلومات، اطلاعات ہم انٹرنٹ پر ڈال سکتے ہیں تاکہ وہ تمام دنیا کو آسانی سے دستیاب ہو سکیں۔

انٹرنٹ پر کتب خانے

دنیا کی بڑی بڑی لائبریریاں اپنی کتابیں انٹرنٹ پر فراہم کرتی ہیں۔ آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو، اپنے کمپیوٹر پر دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔ آج انگلینڈ، امریکہ اور تمام بڑے ملکوں کی لائبریریاں ہمیں انٹرنٹ پر دستیاب ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ پڑھنے والے بچوں کو ہو رہا ہے۔ ہم اپنے مضامین سے متعلق سارا مواد گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اخبارات بھی انٹرنٹ پر پڑھ سکتے ہیں۔

انٹرنٹ کے فائدے

انٹرنٹ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ فاصلوں کو نہایت تیزی کے ساتھ ختم کرتا ہے۔ ہم دنیا کے کسی بھی حصے میں، کسی بھی شخص سے فوراً رابطہ کر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے آن کی آن میں پیغامات اور تصاویر بھیجی جاسکتی ہیں۔ ویب سائٹ میں محفوظ ہر قسم کی معلومات بٹن دباتے ہی کمپیوٹر سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ علوم کے ماہرین، تاجر، صنعت کار اور پیشہ ور حضرات اس کی مدد سے اپنا کام بہت عمدہ طریقے سے اور بہت جلد پورا کر سکتے ہیں۔ اس سے کھیل تماشے اور دل بہلاوے کا سامان بھی مہیا کیا جاسکتا ہے۔ اشتہارات کے ذریعے ضرورت کی اشیا کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ طالب علم اس کے ذریعے اپنی تعلیم آسانی سے پوری کر سکتے ہیں۔ انٹرنٹ کے بغیر اب ہماری ترقی ممکن نہیں۔

(ادارہ)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

- مواصلاتی نظام : Communication System وہ جدید وسائل جن کی مدد سے پیغامات ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے ہیں
- مہیا : فراہم، دستیاب
- تنظیم : ادارہ
- وحدت : اکائی
- دستیاب ہونا : حاصل ہونا، ہاتھ آنا
- صنعت کار : کارخانے دار (Industrialist)

● غور کیجیے:

- اس سبق میں ای۔میل، ای۔ٹکٹ اور اے۔ٹی۔ایم وغیرہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ آپ روزمرہ زندگی میں انٹرنٹ کے استعمال کی دوسری صورتیں بتائیے۔
- ہر چیز کے فائدے اور نقصانات ہوتے ہیں۔ انٹرنٹ کے فائدوں پر ہم نے غور کیا۔ آپ اس کے نقصانات پر غور کیجیے اور کم از کم تین نقصانات کا پی میں لکھیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- مواصلاتی نظام کسے کہتے ہیں اور اس میں کون سے وسائل شامل ہیں؟
- 2- انٹرنٹ کس طرح کام کرتا ہے؟
- 3- ای۔میل بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟

- 4- موڈیم کسے کہتے ہیں؟
- 5- بینک کے نظام میں انٹرنٹ کس طرح مفید ہے؟
- 6- ای۔ٹکٹ کسے کہتے ہیں؟
- 7- انٹرنٹ سے طلباء کو کیا فائدے ہیں؟

● نیچے لکھے ہوئے الفاظ کے واحد لکھیے:

تصاویر	اطلاعات	ماہرین	معلومات	کتب	اخبارات
مضامین	اعداد	آلات			

● عملی کام:

- ☆ کسی سائبر کیفے میں جا کر انٹرنٹ کی تمام عملی صورتوں سے واقفیت حاصل کیجیے اور اس موضوع پر ایک تصویری مضمون تیار کیجیے۔
- ☆ انٹرنٹ کے فائدے اور نقصانات کے بارے میں اپنے دوستوں سے بات چیت کیجیے۔



5022CH15

نئی روشنی

اسکول میں کھانے کا وقفہ تھا۔ کچھ طلبا کھانا لے کر باہر پیڑ کے نیچے جا بیٹھے تھے۔ کچھ اپنی کلاس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سبھی حیرت میں تھے۔ روز کی طرح درجہ میں شور بھی نہیں تھا۔ اسلم اور جاوید کی بات چیت صاف سنائی دے رہی تھی۔

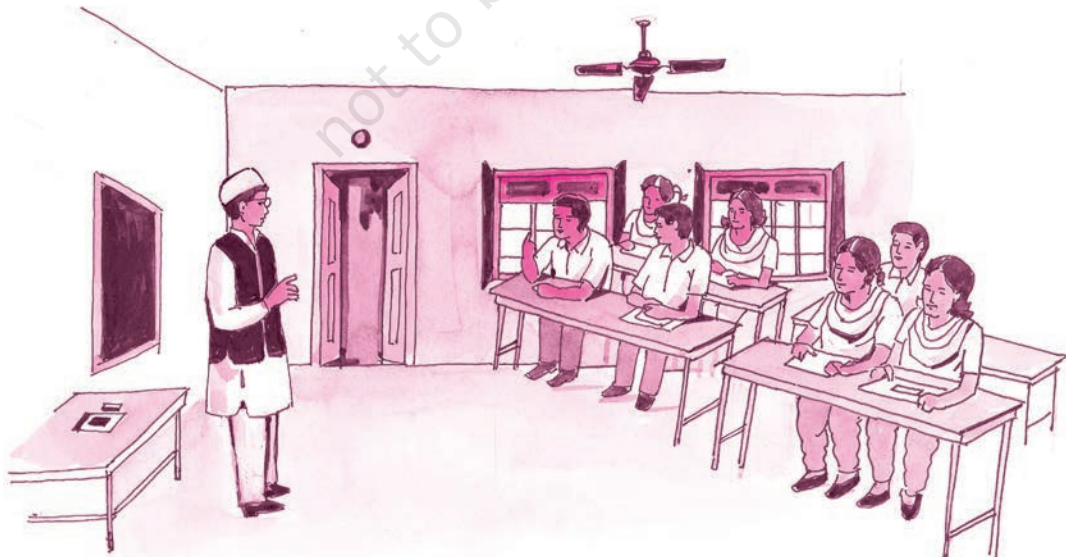
اسلم : ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ کل سے ہماری کلاس میں ایک ایسا لڑکا پڑھنے آئے گا جو نابینا ہے۔ اسے آج ہی داخلہ ملا ہے۔

جاوید : (حیرت سے) میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ پڑھے گا کیسے؟

(وقفہ ختم ہونے کی گھنٹی بجتی ہے)

اسلم : ماسٹر صاحب آتے ہی ہوں گے۔ انہیں سے پوچھیں گے۔

(ماسٹر صاحب کلاس میں داخل ہوتے ہیں۔ سبھی طلبا ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسلم اور جاوید سوال کرتے ہیں۔)



اسلم و جاوید : (ایک ساتھ) ماسٹر صاحب معلوم ہوا ہے کہ ایک ایسے لڑکے کو ہماری کلاس میں داخلہ ملا ہے۔ جو دیکھ نہیں سکتا پھر وہ پڑھے گا کیسے؟

ماسٹر صاحب : تم لوگوں نے ٹھیک سنا ہے۔ محمود کل سے تمہاری کلاس میں آئے گا اور تمہارے ساتھ ہی پڑھے گا۔ تم سب اتنے حیران ہو کر میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ محمود بالکل تم جیسا ہی ہے۔ بس وہ دیکھ نہیں سکتا۔ جانتے ہو وہ گزشتہ سال اپنی کلاس میں اوّل آیا تھا۔

اسلم : ماسٹر صاحب! جب محمود کو دکھائی ہی نہیں دیتا تو وہ پڑھتا کس طرح ہے؟

ماسٹر صاحب : محمود اور اُس جیسے بچے ایک خاص تحریر کے ذریعے پڑھتے ہیں۔ اُسے 'بریل' کہتے ہیں۔

جاوید : لیکن ماسٹر صاحب! آنکھوں کے بغیر تحریر کیوں کر پڑھی جاسکتی ہے؟

ماسٹر صاحب : ایک خاص آلے سے موٹے کاغذ پر حروف کو اُبھارا جاتا ہے جنہیں تھوڑی تربیت کے بعد اُنکی سے چھو کر پڑھ سکتے ہیں۔ بریل میں چھ نقطے ہوتے ہیں، جن کو کئی طرح سے ملا کر حروف اُبھارے جاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی زبان اس تحریر میں لکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔ آج اسی کی مدد سے اس طرح کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

زاہدہ : یہ تحریر کس نے ایجاد کی ہے؟

ماسٹر صاحب : اس کی ایجاد کرنے والے فرانس کے 'لوئی بریل' تھے۔ وہ پیرس کے نزدیک 'کوپ برے' نام کے قصبے میں جنوری 1809 میں پیدا ہوئے تھے۔ دو سال کی عمر میں ایک نوکیلا اوزار لگ جانے سے لوئی کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی، مگر لوئی نے ہار نہیں مانی اور کسی نہ کسی طرح تعلیم حاصل کرنے میں لگے رہے۔ اپنی بیس سال کی محنت اور لگن سے انھوں نے اس تحریر کو ایجاد کیا جسے انھیں کے نام پر 'بریل' تحریر کہا جاتا ہے۔ بچو! اس تحریر کو ایجاد کر کے لوئی نے نابینا لوگوں کے لیے تعلیم کا راستہ کھول دیا اور ان کی تاریک زندگی میں روشنی کی کرن بکھیر دی۔

اسلم : ماسٹر صاحب! کیا آپ کو بریل تحریر آتی ہے؟ آپ محمود کو کیسے پڑھائیں گے؟ آپ اس کے ہوم ورک کی جانچ کس طرح کریں گے اور پھر امتحان کی کاپی کیسے جانچی جائے گی؟

جاوید : اور پھر وہ ایک کلاس سے دوسری کلاس میں کیسے جائے گا؟

ماسٹر صاحب : محمود بہت محنتی طالب علم ہے۔ ویسے تو اپنا ہوم ورک کسی سے لکھوا کر بھی مجھے دکھا سکتا ہے مگر وہ دوسروں کا سہارا لینا پسند نہیں کرتا۔ وہ آج کل بڑی لگن سے ٹائپ سیکھنے میں لگا ہوا ہے تاکہ وہ ہماری تحریر میں ہی ہوم ورک کر سکے اور

امتحان دے سکے۔ رہی آنے جانے کی بات تو ایک بار تم لوگ اسے کلاسوں اور لائبریری وغیرہ کے راستے کو بتا دو گے تو پھر وہ اپنی سفید چھڑی کی مدد سے خود ہی راستہ ڈھونڈ لے گا۔

زائدہ : سفید چھڑی ہی کیوں؟

ماسٹر صاحب : سفید چھڑی نابینا لوگوں کی پہچان ہے۔ اس چھڑی کو دیکھ کر لوگ انہیں راستہ دے دیتے ہیں اور ضرورت ہونے پر انہیں ان کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔

اسلم : کیا محمود اپنی روزی خود کما سکے گا؟

ماسٹر صاحب : محمود اور اس جیسے دوسرے بچے ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کر کے اپنی روزی خود کماتے ہیں۔ وہ کارخانوں میں بڑی مہارت سے مشینوں پر کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ استاد، وکیل اخبار نویس اور موسیقار وغیرہ بن سکتے ہیں۔ آج کل ایسے کئی لوگ اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ وہ سماج کے لیے مفید بن سکتے ہیں۔ آج وہ سماج پر کوئی بوجھ نہیں ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہم انہیں اپنے سے الگ نہ سمجھیں۔ ان کے ساتھ بچے دوست جیسا برتاؤ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ کلاس کے سبھی طلبا پڑھنے لکھنے میں محمود کی بھرپور مدد کریں گے۔ جاوید! کیا تم اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟

جاوید : ماسٹر صاحب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ایسے سبھی بچے محمود کی طرح ہمارے جیسے اسکول ہی میں پڑھتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : نہیں جاوید ایسا نہیں ہے۔ ان کے اسکول الگ ہوتے ہیں جہاں ان کے رہنے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں تقریباً ڈھائی سو ایسے اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں پڑھنے، لکھنے اور کھیل کود کے ساتھ ساتھ انہیں روزگار کے لیے مفید کام بھی سکھائے جاتے ہیں۔ یہ بہت سے کھیلوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جیسے کبڈی، رساکشی، تیراکی، دوڑ وغیرہ۔ تاش اور شطرنج بھی ان کے پسندیدہ کھیل ہیں۔ کھیلوں کے علاوہ یہ اسکاؤٹنگ، موسیقی اور سیاحتی میں بھی دلچسپی لیتے ہیں۔

اکرم : ماسٹر صاحب! کیا یہ لوگ کرکٹ کھیل سکتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : کیوں نہیں۔ کچھ ماہ پہلے ہی دور درشن پر ایسے کھلاڑیوں کو کرکٹ کھیلتے دکھایا گیا تھا۔ ان کے لیے خاص قسم کی گیند بنائی جاتی ہے جس سے آواز نکلتی ہے۔ آواز سن کر ہی کھلاڑی اپنے بلے سے گیند کو مارتے یا پکڑتے ہیں۔

پرکاش : ان کے لیے اور کیا خاص چیزیں بنائی گئی ہیں؟

ماسٹر صاحب : ان کے لیے انگریزی اور ہندی کا ایسا کمپیوٹر تیار کیا گیا ہے جو بولتا ہے یعنی جس حرف کے بٹن کو دبائیں گے تو کمپیوٹر اسی حرف کو ادا کرے گا۔ پھر وہ سن سن کر جو بھی ٹائپ کریں، وہ سب کچھ خاص پرنٹر کے ذریعے بریل تحریر میں فوراً ان کے سامنے آ جائے گا۔

موہن : ارے واہ! یہ تو بہت مزے دار بات ہوئی۔

ماسٹر صاحب : یہی نہیں، ان لوگوں کی انگلیوں کے پور اور کان بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ چیزوں کو چھو کر محسوس کرتے ہیں اور سن کر وہ اپنا نصاب یاد کر لیتے ہیں۔ ایک بار سنا ہوا اور ایک بار چٹخا ہوا وہ کبھی نہیں بھولتے انھیں دکھائی نہیں دیتا تو کیا ہوا۔ بدلے میں بہت ساری صلاحیتیں ہیں جن سے وہ اپنی زندگی اچھی طرح گزار سکتے ہیں۔

اسلم : ماسٹر صاحب، آنکھیں خراب کیوں ہوتی ہیں؟

ماسٹر صاحب : کبھی کبھی کھانے میں وٹامن اے کی کمی کی وجہ سے بینائی کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے بچے حادثوں میں اپنی بینائی کھو بیٹھتے ہیں۔ بچو! وٹامن اے کی کمی پورا کرنے کے لیے اپنے کھانے میں ہری سبزیاں، گاجر، پیلے پھل، آم، پیتا، کدو، وغیرہ مناسب مقدار میں استعمال کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی گلی ڈنڈا اور پٹاخوں یا کیلی چیزوں سے اپنی آنکھوں کی خاص طور پر حفاظت کرنا چاہیے۔ کبھی کبھی گندگی سے بھی آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ آنکھوں کو ہمیشہ صاف پانی سے دھوتے رہنا چاہیے۔ صاف تولیے یا رومال سے آنکھیں پوچھنی چاہئیں۔ کم روشنی میں نہیں پڑھنا چاہیے اور آنکھوں کی ورزش بھی کرتے رہنا چاہیے۔ ان سب باتوں کا خیال رکھنے سے تمھاری آنکھیں محفوظ رہ سکتی ہیں۔

مشق

● معنی یاد کیجیے:

نا بینا	:	جسے دکھائی نہ دے
تحریر	:	لکھاوٹ، عبارت

تربیت	:	پرورش
سیاحی	:	سفر کرنا، سیر و سیاحت کرنا
حساس	:	زیادہ محسوس کرنے والا
نصاب	:	پڑھائی کا کورس
صلاحیت	:	لیاقت، استعداد
ورزش	:	کسرت
مقدار	:	اندازہ، وزن

● غور کیجیے:

☆ آنکھیں وٹامن اے کی کمی سے خراب ہو جاتی ہیں۔ وٹامن اے کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہری سبزیاں اور پیلے پھل کھانا چاہیے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- کلاس میں بچے کس بات پر حیرت زدہ تھے؟
- 2- بریل ایجاد کرنے والے کا نام کیا تھا؟
- 3- بریل کے ذریعے پڑھائی کس طرح ہوتی ہے؟
- 4- لوگ سفید چھڑی کیوں رکھتے ہیں؟
- 5- آنکھوں کی حفاظت کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظؤں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

موسیقار حیرت زدہ مقدار وقفہ اخبار نویس عہدہ آلہ

● اسم کی تعریف آپ کو بتائی جا چکی ہے۔ اس سبق سے پانچ اسم تلاش کر کے لکھیے۔

● خالی جگہوں کو صحیح لفظوں سے بھریے:

1. ان کے الگ ہوتے ہیں۔ (گھر، اسکول، ہاسٹل)
2. کم روشنی میں نہیں چاہیے۔ (سونا، کھانا، پڑھنا)
3. ارے واہ یہ تو بہت بات ہوگی۔ (خراب، مزے دار، بیکار)
4. ان سب باتوں کا خیال رکھنے سے تمہاری آنکھیں رہ سکتی ہیں۔ (اچھی، محفوظ، بہتر)

● عملی کام:

☆ بینائی کی حفاظت کس طرح کی جاسکتی ہے۔ اس پر پانچ جملے لکھیے۔



اقبال

(1877 – 1938)

اقبال کا شمار اردو کے بلند مرتبہ شاعروں اور مفکروں میں ہوتا ہے۔ وہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اپنے خیالات کی گیرائی اور شعری صلاحیت کی وجہ سے ان کا نام دنیا بھر میں مشہور ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی نظمیں کہی ہیں۔ ان کی شاعری دنیا کی عظیم شاعری میں شمار کی جاتی ہے۔ اقبال اردو کے سب سے بڑے فلسفی شاعر ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے جو نظمیں لکھی ہیں ان میں ”بچے کی دعا“، ”قومی ترانہ“، ”پہاڑ اور گلہری“، ”جگنو“، ”ہمدردی“، ”پرندے کی فریاد“ اور ”ماں کا خواب“ وغیرہ بہت مقبول ہوئیں۔

ان نظموں کے ذریعے اقبال نے بچوں میں بلند خیالی، ایمانداری، سچائی، محبت، بھائی چارہ، انصاف، بلند کرداری، ہمدردی، انسانی جذبہ، مل جل کر ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے جیسی صفات پیدا کی ہیں۔ اقبال کی کئی کتابیں اردو کے علاوہ فارسی اور انگریزی میں بھی شائع ہو چکی ہیں اور ان کی شاعری کے ترجمے دنیا کی بہت سی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔



5022CH16

پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
مجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اُس پر غور، کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا
خدا کی شان ہے، ناچیز، چیز بن بیٹھیں
جو بے شعور ہوں، یوں باتمیز بن بیٹھیں



تری بساط ہے کیا، میری شان کے آگے
 زمیں ہے پست، مری آن بان کے آگے
 جو بات مجھ میں ہے، تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
 بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں
 کہا یہ سُن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا
 یہ کچی باتیں ہیں، دل سے انھیں نکال ذرا
 جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
 نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
 ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
 کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اُس کی حکمت ہے
 بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
 مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
 قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
 نری بڑائی ہے، خوبی ہے اور کیا تجھ میں
 جو تو بڑا ہے، تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
 یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
 نہیں ہے چیز نکلی کوئی زمانے میں
 کوئی بُرا نہیں قُدرت کے کارخانے میں

(اقبال)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

شعور	:	عقل، سمجھ
ناچیز	:	معمولی، حقیر
باتمیز	:	تمیز دار
بساط	:	حیثیت
پست	:	نیچی، کم درجہ
آن بان	:	شان، بڑائی
حکمت	:	تدبیر
زری	:	صرف
ہنر	:	کام کرنے کی صلاحیت، فن
نکمی	:	بے کار

● غور کیجیے:

☆ دنیا میں کوئی چیز اپنے قد کی وجہ سے اہم نہیں ہوتی، اصل اہمیت کام کی ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- پہاڑ نے گلہری سے ڈوب مرنے کو کیوں کہا؟
- 2- گلہری نے پہاڑ کو کیا جواب دیا؟

- 3- پہاڑ نے اپنی بڑائی میں کیا کہا؟
 4- کن باتوں سے خدا کی قدرت کا پتا چلتا ہے؟
 5- گلہری ایسا کون سا کام کر سکتی ہے جو پہاڑ کے بس کا نہیں ہے؟

عملی کام:

- ☆ ”غرور شعور“
 ☆ ”چیز تمیز“
 ☆ ان لفظوں کو بلند آواز سے پڑھ کر معلوم کیجیے کہ ان کی آوازیں آخر میں کیسی ہیں۔ ایسے ہی ایک جیسی آوازوں پر ختم ہونے والے دوسرے الفاظ نظم سے تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔ استاد سے پوچھیے کہ ایسے لفظوں کو کیا کہتے ہیں؟



5022CH17

رضیہ سلطان

رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی ملکہ تھی جو دلی کے تخت پر بیٹھی۔ وہ دہلی کے بادشاہ التمش کی بیٹی تھی۔ اپنے بہن بھائیوں میں رضیہ سب سے زیادہ ذہین، محنتی اور ہوشیار تھی۔ باپ نے اپنی زندگی ہی میں اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بیٹے عیش پسند ہیں، بیٹی کے علاوہ کوئی اور حکومت چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس نے اپنے آخری دنوں میں چاندی کے سکے پر رضیہ کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔



التمش کی وفات کے بعد دربار میں وزیر نے جب بادشاہ کی وصیت پڑھ کر سنائی تو خُڑک امیروں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ایک عورت دلی کے تخت و تاج کی مالک ہو۔ رضیہ نے یہ دیکھا تو امیروں سے کہا: ”میرے عورت ہونے پر اعتراض ہے تو میں امن کی خاطر اپنے بھائی رکن الدین کا نام پیش کرتی ہوں۔ آؤ ہم سب مل کر اس سے وفاداری کا عہد کریں۔“

لیکن حکومت ہاتھ آتے ہی رکن الدین عیش و آرام میں پڑ گیا۔ اس کی ماں ایک حاسد عورت تھی۔ اس نے دوسری بیگمات اور ان کے بچوں کو طرح طرح سے پریشان کیا۔ وہ سوتیلی بیٹی رضیہ کی مقبولیت سے جلنے لگی۔ مگر جلد ہی رکن الدین اپنی عیش پسندی اور اپنی ماں کی زیادتیوں کی وجہ سے اس قدر بدنام ہو گیا کہ دلی کے لوگوں نے اس کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دلی کے عوام رضیہ کی خوبیوں اور التمش کی وصیت سے واقف تھے۔ ان میں ایک بزرگ صوفی کاظم الدین زاہد نے رضیہ کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

تخت نشین ہونے پر رضیہ نے عہد کیا کہ ”میں عوام کی بھلائی اور سلطنت کی ترقی کے لیے کام کروں گی۔ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی جب تک یہ ثابت نہ کر دوں کہ میں مردوں سے کم نہیں۔“

رضیہ نے تخت نشینی کے بعد نہایت بہادری سے مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ فوج کی کمان خود سنبھالتی تھی۔ اس نے بادشاہوں کی طرح ”قبا“ اور ”کلاہ“ پہنی۔ اپنے نام کے سیکے جاری کیے۔ سلطنت میں امن قائم کیا، انتظام کو بہتر بنایا اور عوام کی خوش حالی کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ تجارت کو فروغ دیا، سڑکیں بنوائیں، درخت لگوائے اور کنوئیں کھدوائے۔ اس نے مدرسے اور سرکاری کتب خانے بھی قائم کیے۔ رضیہ سلطان کو خود بھی پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ وہ اچھی گھوڑ سوار تھی۔ اور اسے جنگی اسلحوں کے استعمال کا ہنر بھی آتا تھا۔ اس کی حکومت بنگال سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔

رضیہ سلطان باقاعدہ دربار لگاتی تھی۔ اس نے برابری اور بھائی چارے کو عام کیا۔ رضیہ سلطان نے حکومت کے اختیارات کو چالیس امیروں میں بانٹا جن سے وہ ملکی معاملات میں مشورہ کرتی تھی۔ اس نے ”میر آخور“ کا سب سے بڑا عہدہ ایک حبشی غلام یاقوت کو دیا کیونکہ وہ ایمان دار اور جفاکش تھا۔ یہ اہم عہدہ اب تک صرف خُڑک امیروں کو ملتا تھا۔ یہ بات خُڑک امیروں کو پسند نہیں آئی۔ انھوں نے رضیہ کو تخت سے اتارنے کی سازش کی اور بھٹنڈا کے گورنر التونیہ کو بہکا کر بغاوت کروادی۔ جب وہ بغاوت کو کچلنے کے لیے پنجاب میں بھٹنڈا پہنچی تو اس کے سپاہی طویل سفر اور گرمی سے پریشان ہو چکے تھے۔ اگرچہ دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا مگر رضیہ کی فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ وہ قید کر لی گئی۔ ادھر دلی میں سازشیوں نے رضیہ کے بھائی بہرام کو تخت پر بٹھا دیا اور بڑے بڑے عہدے آپس میں بانٹ لیے۔ بہرام کمزور بادشاہ ثابت ہوا۔ التونیہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے رضیہ سے معافی مانگی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔

اب رضیہ اور التونیہ نے دلی کا تخت واپس لینے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے کچھ ٹُرک امیروں اور راجپوتوں کی مدد سے دلی پر حملہ کیا۔ مخالف امیروں نے سوچا کہ رضیہ دلی میں بڑی مقبول ہے اگر اس کی فوجیں یہاں پہنچ گئیں تو اس کے مددگار اٹھ کھڑے ہوں گے اس لیے جنگ دلی سے دور ہونی چاہیے۔ چنانچہ بہرام کی فوج نے رضیہ کو راستے ہی میں روک دیا۔ شاہی فوج تعداد میں زیادہ تھی اور اس کے پاس بہتر ہتھیار بھی تھے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رضیہ نے بڑی ہمت دکھائی لیکن اسے شکست ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔

رضیہ سلطان نے صرف ساڑھے تین سال حکومت کی لیکن اس مختصر مدت میں اس نے اپنی ہمت، حوصلے اور حسن انتظام سے ثابت کر دیا کہ وہ اعلیٰ درجے کی حکمران تھی۔

مشق

● معنی یاد کیجیے:

واحد	:	ایک، اکیلا
وصیت	:	موت سے پہلے کی جانے والی ہدایت
گلاہ	:	ٹوپی
محافظ	:	حفاظت کرنے والا
صلہ	:	بدلہ، انعام
جفاکش	:	محنت کرنے والا
حسن انتظام	:	اچھا انتظام، کام کرنے کی خوبی
حکمران	:	حاکم، حکومت کرنے والا
عالم	:	علم والا، پڑھا لکھا

● غور کیجیے:

1. رضیہ سلطان ہندوستان کی پہلی خاتون حکمران تھی۔
2. رضیہ سلطان نے اپنے کارناموں سے یہ دکھا دیا کہ عورتیں، مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- رضیہ سلطان کی خوبیاں کیا تھیں؟
- 2- رکن الدین کس کا بیٹا تھا، اُسے کس نے مارا؟
- 3- التتمش کی وصیت کیا تھی؟
- 4- تخت نشینی کے بعد رضیہ نے کیا عہد کیا؟
- 5- رضیہ نے میر آخور کا عہدہ کسے دیا؟
- 6- رضیہ کی فوج کا مقابلہ کس سے ہوا تھا؟
- 7- رضیہ سلطان نے کتنے برس حکومت کی؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

ذہن وفاداری عہدہ محافظ

● خالی جگہوں کو بھریے:

1. رضیہ سلطان دہلی کے بادشاہ..... کی بیٹی تھی۔
2. رضیہ..... کی پہلی ملکہ تھی۔
3. رضیہ کے شوہر کا نام..... تھا۔

4. ترک امیروں نے رضیہ کے بھائی..... کو تخت پر بٹھا دیا۔

5. رضیہ سلطان اعلیٰ درجے کی..... تھی۔

● واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے:

امرا افواج مشکل بیگمات اختیار کتاب

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے مذکر سے مونث اور مونث سے مذکر بنائیے:

ملکہ عالم بہن بیٹی

● محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

میدان چھوڑنا ہتھیار ڈالنا موت کے گھاٹ اتارنا

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کے متضاد لکھیے:

بھلائی خوش حالی امن شکست

● عملی کام:

☆ بلند آواز سے پڑھیے۔

رضیہ سلطان حسن انتظام وصیت التونیہ
حبشی غلام یاقوت



رتن سنگھ

(1927)

رتن سنگھ قصبہ داؤد، تحصیل نارووال، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایک مقامی اسکول میں میٹرک تک تعلیم پائی۔ تقسیم وطن کے بعد ہندوستان چلے آئے۔ 1962 میں آل انڈیا ریڈیو میں پروگرام ایکریکٹیو کی حیثیت سے منسلک ہوئے۔ اپنی ملازمت کے دوران انھوں نے جالندھر، بھوپال، لکھنؤ، جبل پور اور سری نگر وغیرہ شہروں میں قیام کیا۔ انھیں شروع سے افسانہ نگاری کا شوق تھا۔ طالب علمی کے دور میں کہانیاں لکھنے لگے۔ بطور افسانہ نگار ان کا نام بہت جلد مشہور ہو گیا۔ پہلی آواز، پنجرے کا آدمی، کاٹھ کا گھوڑا اور پناہ گاہ ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ ان کے دو ناولٹ 'در بدری' اور 'اڑن کھٹولہ' اور ایک طویل سوانحی نظم 'ہڈ بیتی' اردو اور پنجابی میں شائع ہو چکی ہے۔ وہ مترجم کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔

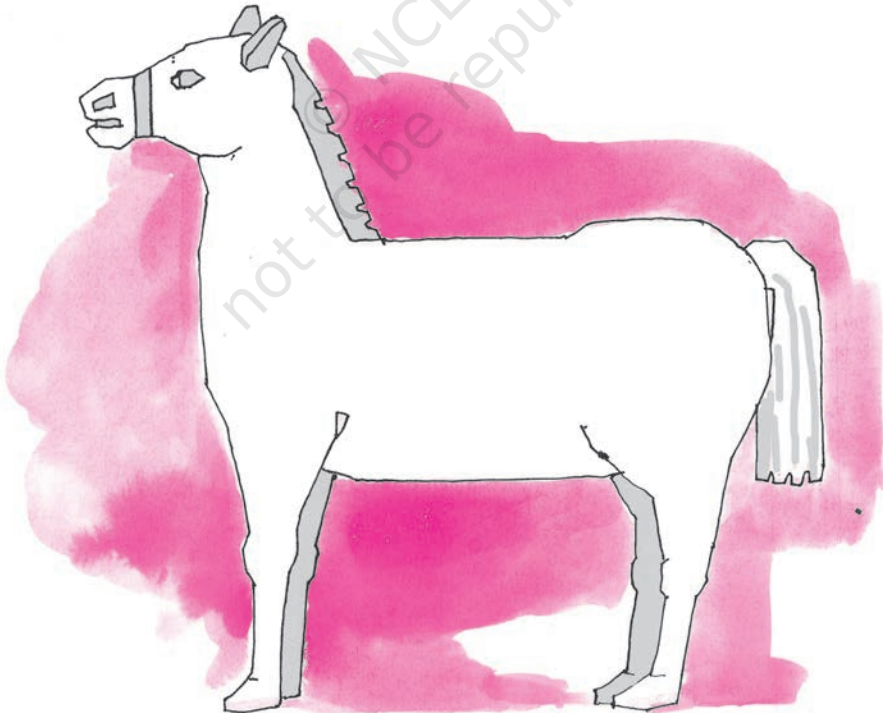


5022CH18

کاٹھ کا گھوڑا

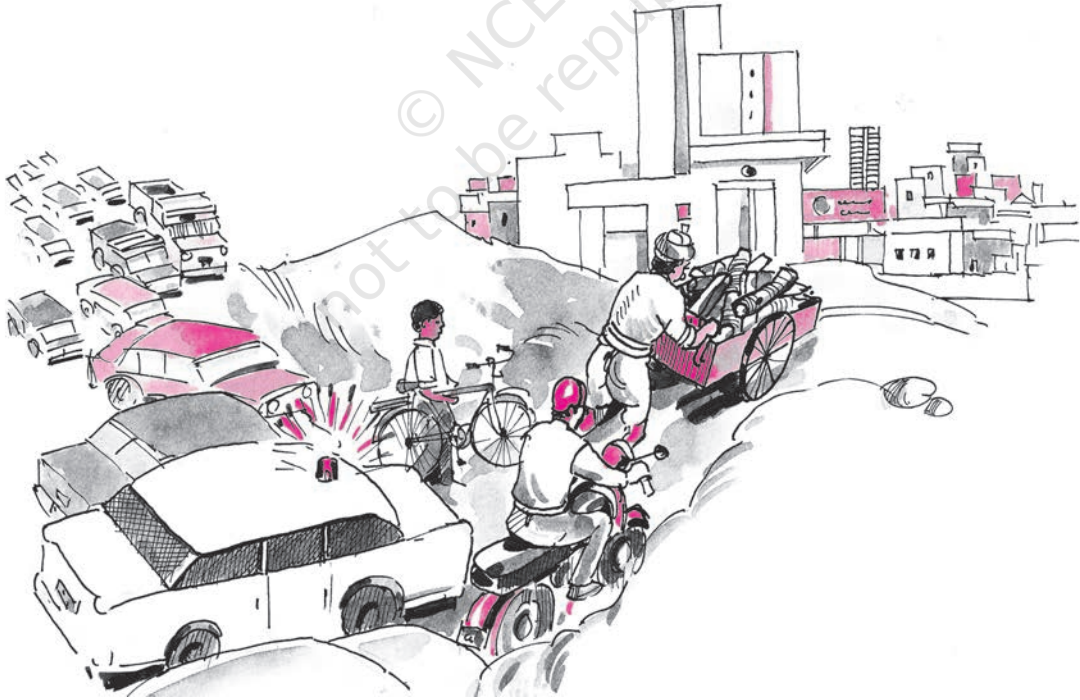
اس وقت بندو کا ٹھیلہ خود بندو ایسا بے جان کاٹھ کا گھوڑا بن کر رہ گیا ہے جو اپنے آپ نہ ہل سکتا ہے نہ ڈل سکتا ہے، نہ آگے بڑھ سکتا ہے۔

اسی لیے، بندو کی ہی وجہ سے اندھیر دیو کے تنگ بازار میں راستہ قریب قریب بند ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ بوجھ سے لدا ہوا بندو کا ٹھیلہ سڑک پر چڑھائی ہونے کی وجہ سے رُک سا گیا ہے۔ رہ رہ کر اگر چلتا بھی ہے تو جوں کی رفتار سے رینگتا ہے اور پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے کاریں، ٹرک، بسیں، موٹر سائیکل، اسکوٹر غرض یہ کہ سبھی تیز رفتار گاڑیوں کی لمبی قطار ٹھہری گئی ہے اور انہی کے بیچ میں تانگے اور رکشے بھی پھنسے ہوئے ہیں۔



ان گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں وزیر، ملک کے بڑے بڑے کارخانے دار، کاروباری سیٹھ، دفاتروں کے افسر، دوکاندار، وردیوں والے فوجی اور پولس والے، سفید کاروں والے بابو، عام آدمی، سودا سلف خریدنے کے لیے گھروں سے نکلی عورتیں، اسکولوں اور کالجوں کے بچے، ڈاکٹر، نرس، انجینیر سبھی کے سبھی ٹھہر گئے ہیں۔ لگتا ہے جیسے بندوکی سست رفتار کی وجہ سے سارے شہر، بلکہ ایک طرح سے کہا جائے تو سارے ملک، ساری دنیا کی رفتار دھیمی پڑ گئی ہے۔

یوں تو وزیر اپنی کار میں بیٹھا کچھ لوگوں سے گفتگو کر رہا ہے۔ لیکن بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھ رہا ہے۔ کیوں کہ کسی غیر ملکی وفد سے ملنے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا ہے کہ آگے سے راستہ اس طرح بند کیوں ہو گیا ہے۔ اس کا ڈرائیور گھبرایا ہوا بار بار کار سے اترتا ہے، کچھ دور جا کر دیکھ کر آتا ہے۔ اور پھر مایوس ہو کر گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگتا ہے۔ وہ لوگ جو کار میں بیٹھے وزیر سے باتیں کر رہے ہیں، دل ہی دل میں خوش ہیں کہ راستہ بند ہونے کی وجہ سے کار کھڑی ہے اور انھیں وزیر کے سامنے اپنی بات رکھنے کا پورا پورا موقع مل رہا ہے۔ کارخانے دار اور کاروباری سیٹھ البتہ کاروں کی گدیوں پر بیٹھے بے چین ہو رہے ہیں۔ ان کے لیے ہر گز رے ہوئے پل کے معنی ہیں لاکھوں کا گھاٹا۔



ریلوے کا ایک ڈرائیور بار بار اپنی سائیکل کا اگلا پہیہ اٹھا اٹھا کر پٹک رہا ہے۔ پریشانی کی وجہ سے اس کے ماتھے پر پسینہ آرہا ہے، کیوں کہ جس گاڑی کو لے کر اسے جانا ہے، اس کے جانے کا وقت ہو چکا ہے اور وہ یہاں راستے میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے زیادہ تر بچے خوش ہیں۔ جتنے پیریڈ نکل جائیں اتنا ہی اچھا ہے لیکن کچھ ایک کو افسوس بھی ہے کہ ان کی پڑھائی پیچھے رہ جائے گی۔

اسی طرح سر پر لوہے کی ٹوپی پہنے ہوئے فوجی بار بار موٹر سائیکل کا ہارن بجا رہا ہے لیکن آگے نہیں بڑھ پا رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر دفتر پہنچنے میں دیر ہوگئی تو اس کا کمانڈنٹ آفیسر چالیس کلو کا وزن پیٹھ پر لدوا کر دس کلو میٹر کا روڈ مارچ کروادے گا۔

لیکن بندوان سب سے بے خبر ہے۔ بے نیاز ہے۔

آج اس سے ٹھیلہ کھنچ بھی نہیں پا رہا۔ ایک تو سیٹھ کے بچے نے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے دوسرے اس کے ٹھیلے کا دھڑا جام ہو رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ چڑھائی کا راستہ ہے اور چوتھے یہ کہ اس کا من ہی نہیں ہو رہا ہے ٹھیلہ کھینچنے کا۔ وہی کاٹھ کے گھوڑے والی بات ہو رہی ہے جو اپنے آپ سرک نہیں سکتا۔ جب کبھی اس کا من اداس ہوتا ہے تو اس کی کیفیت اس کاٹھ کے گھوڑے جیسی ہو جاتی ہے جسے وہ بچپن میں ایک میلے سے خرید کر بڑا دکھی ہوا تھا۔

کاٹھ کا رنگین گھوڑا لے کر جب وہ بڑے فخر سے گلی کے بچوں کے بیچ گیا تو اس نے دیکھا کہ کسی کے پاس چابی والی موٹر تھی جو گھوں گھوں کرتی ہوئی تیز بھاگتی تھی اور کسی کے پاس ریل گاڑی تھی، انجن سمیت اپنے آپ چلنے والی گاڑی۔ جس کے پاس ایسے دوڑنے والے کھلونے نہیں تھے، ان کے پاس رسی کے سہارے گھومنے والے رنگین لٹو تھے۔ تیزی سے گھومتے ہوئے وہ ایسے لگتے تھے جیسے وہ سارے میدان کو اپنے گھیرے میں لے رہے ہوں۔ ان کھلونوں کے سامنے اُس کا کاٹھ کا گھوڑا ساکت بے جان تھا۔ ویسے بچوں کے سامنے کھیلتے ہوئے اس نے بھی اپنے گھوڑے کو ٹانگوں کے بیچ پھنسا کر دوڑنے کا سوانگ کیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ جانتا تھا کہ اس کا کھلونا دوسروں کے کھلونے کے سامنے بے کار اور بے معنی ہے۔ اسی لیے گھر آکر اس نے کاٹھ کے گھوڑے کو چولہے کی آگ میں جھونک دیا تھا۔ لیکن جلنے کے باوجود جیسے وہ بے جان کاٹھ کا گھوڑا اس کی شخصیت کے ساتھ چپک کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ ہوا یہ کہ گلی کے ہی بچے جو اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ان میں سے کوئی پڑھ لکھ کر منیم بن گیا تھا تو کوئی وکیل۔ کوئی اسکول کا ماسٹر ہو گیا تھا تو کوئی بڑا افسر۔ اور اس کے برعکس بندو وہی کاٹھ کا گھوڑا ہی رہ گیا۔ باپ ٹھیلہ چلاتا تھا تو وہ بھی ٹھیلہ ہی کھینچ رہا ہے۔

وہ اکثر سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیسے ہوا کہ ایک ہی گلی میں رہتے ہوئے باقی لوگ آگے بڑھ گئے اور وہ پیچھے رہ گیا۔ ایسا کیوں کر ہو گیا؟ لیکن وہ سوچے بھی تو کیا؟ کاٹھ کا گھوڑا بھلا سوچ ہی کیا سکتا ہے؟

لیکن آج وہی کاٹھ کا گھوڑا یہی سوچ کر اُداس ہو رہا ہے کہ اس کے آٹھ نو سال کے لڑکے چندو نے محض اس لیے اسکول جانا بند کر دیا ہے کہ وہ اس کے لیے ضرورت کی چیزیں جٹا نہیں پاتا۔ ”جب میں اپنی زندگی کی گاڑی ٹھیک سے نہیں کھینچ پاتا تو پھر اس ٹھیلے کے بوجھ کو کیوں کھینچوں؟“ بندو سوچ رہا ہے۔

اس کے دل نے کہا کہ ٹھیلہ جو پہلے ہی سرک نہیں پار رہا ہے اُسے چھوڑ چھاڑ کر الگ کھڑا ہو جاؤں۔ اس کی ہمت پہلے ہی جواب دے رہی ہے۔ رہ رہ کر اس کے دل میں خیال اٹھ رہے ہیں کہ ایک دن اس کے چندو کو بھی اسی طرح ٹھیلے کے بوجھ کو کھینچنا پڑے گا۔ اور اس خیال کے ساتھ اُسے اپنی جان ٹوٹی ہوئی سی محسوس ہو رہی ہے اور اس کے لیے ایک ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہو رہا ہے۔

لیکن اس کے پیچھے جو لوگ کھڑے ہیں وہ اتنا اُلے ہو رہے ہیں۔ بار بار ہارن بجا کر اپنے غصے کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کے پاس آیا اور بولا۔ ”بھتیہ جلدی کرو۔ تمہارے پیچھے پوری دنیا رُکی پڑی ہے۔“ اُنکی پڑی ہے۔ ”اُنکی ہے تو اُنکی رہے۔“ بندو جھنجھلا کر بولا۔ ”جو لوگ تیز جانا چاہتے ہیں ان سے کہو کہ میرے پیروں میں بھی پیسے لگوا دیں۔“

”بات تو ٹھیک کہتا ہے۔“ کسی نے کہا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ اتنے تیز ہو جائیں کہ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگیں اور کچھ کو اتنا مجبور کر دیا جائے کہ ان کے لیے ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہو جائے۔“

یہ سب باتیں گاڑیوں کے ہارن کی آوازوں اور لوگوں کے شور میں دبی جا رہی ہیں۔

کاٹھ کے گھوڑے میں قدم اٹھانے کی ہمت نہیں۔ وہ آگے نہیں بڑھ پا رہا۔ اور اس کے پیچھے بھیڑ میں وہ وزیرُکا ہوا ہے جسے کسی غیر ملکی وفد سے وقت مقرّر رہ پر بات کرنا ہے، وہ ڈرائیور اٹکا ہوا ہے، جسے ملک کے کسی دوسرے شہر کی طرف ریل گاڑی لے کر جانا ہے، اسکول کے وہ بچے رُکے ہوئے ہیں جو کل کے مالک ہوں گے۔ ڈاکٹر، نرس، انجینیر سب کے قدم بندھ کر رہ گئے ہیں۔

اور بندو کاٹھ کا گھوڑا اندھیر دیو کے بازار میں اپنے ٹھیلے کے ساتھ کھڑا ہو گیا ہے۔ اس کے پاؤں میں حرکت آئے تو زندگی آگے بڑھے۔

(رتن سنگھ)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

کاٹھ کا گھوڑا	:	لکڑی کا گھوڑا
وفد	:	نمائندوں کی جماعت
روڈ مارچ	:	حکم نہ ماننے پر فوجی کی پیٹھ پر بھاری بوجھ لدوا کر سڑک پر دوڑا یا جانا
بے نیاز	:	بے پروا
ساکت	:	بے حرکت
سوانگ	:	خاموش نقل (روپ بدلنا)
برعکس	:	برخلاف
محض	:	صرف
مقررہ	:	طے شدہ

● غور کیجیے:

☆ ہمیں ان اسباب کی تہ تک پہنچنا چاہیے کہ زندگی کی دوڑ میں کچھ لوگ بہت آگے کیوں نکل جاتے ہیں اور کچھ لوگ کیوں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر ہمیں ترقی اور کچھڑ جانے کے اسباب کا علم ہو جائے تو پھر ہم آسانی سے اپنی کم زوریوں پر قابو پاسکتے ہیں۔

● سوچیے اور بتائیے:

1 - بندو کو کاٹھ کا گھوڑا کیوں کہا گیا ہے؟

- 2 - بندو کی سست رفتاری کا اثر کن کن لوگوں پر پڑا؟
- 3 - وزیر کی بے چینی کا سبب کیا تھا؟
- 4 - کاروباریوں کے لیے ”پل“ کے معنی لاکھوں کے گھاٹے کے کیوں ہیں؟
- 5 - چندو کے بارے میں بندو کے ذہن میں کیا خیال آیا؟
- 6 - پیروں میں پیسے لگوانے سے بندو کی کیا مراد تھی؟

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

قطار
 رفتار
 کیفیت
 فخر
 دشوار
 حرکت

● نیچے دیے ہوئے لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

- | | | | | |
|------|-------|-------|------|-------|
| حرکت | سوانگ | رفتار | ساکت | شخصیت |
|------|-------|-------|------|-------|
- 1 - ساری دنیا کی دھیمی پڑ گئی۔
 - 2 - ان کھلونوں کے سامنے اس کا کاٹھ کا گھوڑا بے جان تھا۔
 - 3 - اس نے بھی اپنے گھوڑے کو ٹانگوں کے بیچ پھنسا کر دوڑنے کا کیا تھا۔
 - 4 - وہ بے جان کاٹھ کا گھوڑا اس کی سے چپک کر رہ گیا تھا۔
 - 5 - اس کے پاؤں میں آئے تو زندگی آگے بڑھے۔

● نیچے دیے ہوئے جملوں پر غور کیجیے:

- 1 - اسکولوں اور کالجوں کے زیادہ تر بچے خوش ہیں۔
 - 2 - ان کے پاس رسی کے سہارے گھومنے والے رنگین لٹو تھے۔
 - 3 - کچھ ایک کو افسوس بھی ہے کہ اُن کی پڑھائی پیچھے رہ جائے گی۔
 - ☆ پہلا جملہ 'ہیں' پر ختم ہوتا ہے، جو موجودہ زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں ایسی حالت اور کیفیت واقع ہوتی ہے اُسے 'حال' کہتے ہیں۔
 - ☆ دوسرا جملہ 'تھے' پر ختم ہوتا ہے، جو گزرے ہوئے زمانے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ جہاں ایسی حالت اور کیفیت واقع ہوتی ہے، اسے 'ماضی' کہتے ہیں۔
 - ☆ تیسرا جملہ 'گی' پر ختم ہوتا ہے، جو آنے والے زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں ایسی حالت اور کیفیت واقع ہوتی ہے اسے 'مستقبل' کہتے ہیں۔
- نیچے دیے ہوئے جملوں میں 'زمانے' کی نشان دہی کیجیے۔

- 1 - احمد کل آیا تھا۔ ()
- 2 - موہن بازار سے لوٹ آیا ہے۔ ()
- 3 - سردی کا زمانہ کب آئے گا۔ ()
- 4 - گرمی کا موسم جارہا ہے۔ ()
- 5 - ہم عید کے دن ملیں گے۔ ()

● عملی کام:

کاٹھ کے گھوڑے کی تصویر بنائیے اور اس میں رنگ بھریے۔



ساحر لدھیانوی

(1921 – 1980)

ساحر کا اصل نام عبدالحی تھا وہ ساحر لدھیانوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ لدھیانہ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ 1936 میں ترقی پسند تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک سے وابستہ ہونے والوں میں ساحر بھی شامل تھے۔ 1947 میں تقسیم ملک کے بعد دہلی چلے آئے پھر تلاش معاش میں ممبئی پہنچے، جہاں انھوں نے فلموں کے لیے گیت لکھے۔ ساحر نے اپنی شاعری سے ہندوستانی فلموں میں گانوں کے معیار کو بہت بلند کیا۔ اپنے زمانے کے وہ سب سے مشہور گیت کار تھے۔ ان کے فلمی گیتوں میں بھی ان کی شاعری کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ عوام کے دکھ درد کا احساس اور ماحول کی کشمکش کا اثر ان گیتوں میں نمایاں ہے۔ ”تلخیاں“ ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے۔ ”آؤ کہ کوئی خواب نہیں“ بھی ان کی شاعری کا معروف مجموعہ ہے۔ ”گاتا جائے بنجارہ“ میں ساحر کے فلمی گیت یکجا کر دیے گئے ہیں۔ ساحر کی ”پرچھائیاں“ اردو کی طویل نظموں میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔



5022CH19

اے شریف انسانو!

خون اپنا ہو یا پرایا ہو نسلِ آدم کا خون ہے آخر
جنگِ مشرق میں ہو کہ مغرب میں امنِ عالم کا خون ہے آخر

ہم گھروں پر گریں کہ سرحد پر روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ غیروں کے زیتِ فاتوں سے تلملاتی ہے

ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ زندگی میتوں پہ روتی ہے



جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشنے گی بھوک اور احتیاج کل دے گی

اس لیے اے شریف انسانو! جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

(ساحر لدھیانوی)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

نسل آدم	:	آدم کی نسل، تمام انسان
مشرق	:	پورب
مغرب	:	پچھم
فتح	:	جیت
احتیاج	:	ضرورت
عالم	:	دنیا
روح تعمیر	:	تعمیر کا جذبہ، زندگی کو بنانے، سنوارنے کی خواہش
زیست	:	زندگی
جشن	:	خوشی کی تقریب، چہل پہل

● غور کیجیے:

☆ جنگ سے بربادی اور تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جنگ انسانی ترقی اور خوش حالی کی دشمن ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- ”روح تعمیر“ کے زخم کھانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- 2- دھرتی کی کوکھ بانجھ ہونے سے کیا مطلب ہے؟
- 3- شاعر نے جنگ کو امنِ عالم کا خون کیوں کہا ہے؟

● عملی کام:

- ☆ اس نظم میں اپنا، پرانا، مشرق، مغرب وغیرہ متضاد الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایسے ہی کچھ لفظوں کی فہرست بنائیے۔
- ☆ جنگ کے نقصانات پر مختصر مضمون لکھیے۔

ترجمہ

ترجمہ نگاری ایک مشکل فن ہے۔ اس کے لیے ایک سے زائد زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہونا لازمی ہے۔ یہ قدرت لغوی مفہیم پر نہیں، روزمرہ، محاورہ اور زبان کے طریقہ کار پر ہونا بھی ضروری ہے۔ جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے، اس زبان کے بولنے والوں کی معاشرت اور طرز فکر سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ ان تمام خصوصیات کے بغیر صحیح اور اچھا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔

سبق ”اونتی“ ایک جاپانی کہانی کا ترجمہ ہے۔ ”اونتی“ ایک حاضر جواب اور ذہین کردار ہے۔ اس کے جوابات پر ہنسی آتی ہے، لیکن وہ مسائل کو حل کرنے کا ہنر بھی جانتا ہے۔ جاپان کا یہ کردار ملّا نصیر الدین سے ملتا جلتا ہے۔



5022CH20

اُونتی

اُونتی ایک خوش مزاج اور ہنس مکھ شخص تھا۔ غریبوں کا تو وہ بہت ہی عزیز دوست تھا۔ اس لیے لوگ اُس سے بڑی محبت کرتے تھے۔ بعض لوگ اُس سے حسد کرتے تھے اور اُس کو چوہا نے اور نیچا دکھانے کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ لیکن اُونتی اپنی سوجھ بوجھ سے اُلٹا انھیں کو قائل کر دیتا تھا۔

ایک بار اُونتی کا مذاق اُڑانے کے لیے ایک آدمی نے اُس سے کہا ”اُونتی! رات کو سو رہا تھا تو میرا منہ کھلا رہ گیا۔ اُسی وقت ایک چڑھا آیا اور میرے منہ میں گھس کر میرے پیٹ میں چلا گیا۔ اب تمہیں بتاؤ میں کیا کروں۔“



اُونتی نے فوراً جواب دیا۔
”میرے دوست، بس ایک ہی علاج ہے۔ تم ایک زندہ بلی کو پکڑ کر اُسے نگل جاؤ۔“

ایک بار اُونتی کسی دوست کی بارات میں گیا۔ بارات والوں کو بہت اچھا کھانا کھلایا گیا۔ اُونتی نے بھی خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے وقت اُس نے دیکھا کہ ایک مہمان مٹھائیاں صرف کھا ہی نہیں رہا ہے بلکہ جیب میں بھی بھرتا جا رہا ہے۔ اُونتی بھلا ایسے موقع پر کب چوکے والا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چائے کی کیتلی اٹھا کر



اُس مہمان کی جیب میں انڈیلنے لگا تو وہ ناراض ہو کر بولے۔ ”یہ کیا بدتمیزی ہے؟“ چائے انڈیلتے انڈیلتے اونٹی نے بھولے پن سے جواب دیا۔ ”بھائی، میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہوں۔ آپ کی جیب نے بہت ساری مٹھائیاں کھائی ہیں اس لیے اُسے پیاس بھی ضرور لگی ہوگی۔ میں اُسے چائے پلا رہا ہوں۔“

ایک بار اونٹی کے مُلک میں تین غیر ملکی تاجر آئے۔ اس ملک کے بادشاہ کے دربار میں آکر انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہمارے سوالوں کے جواب دیے جائیں۔ وہاں کوئی ان کے سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔ یہاں تک کے بادشاہ بھی الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ کسی نے بادشاہ کو رائے دی کہ اونٹی کو بلایا جائے وہی ان سوالوں کا جواب دے سکتا ہے۔ بادشاہ نے اونٹی کو بلانے کی اجازت دے دی۔ ہاتھ میں لاٹھی لیے اپنے گدھے پر سوار اونٹی دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے تاجروں کے سوالوں کا جواب دینے کا حکم دیا۔ اونٹی نے کہا کہ تاجر اپنے سوال پوچھیں۔

پہلے تاجر نے سوال کیا۔ ”بتاؤ زمین کا مرکز کہاں ہے؟“

اوتنی نے کسی تاہل کے بغیر لاٹھی سے اپنے گدھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”ٹھیک وہاں، جہاں میرے گدھے کا اگلا دایاں قدم رکھا ہوا ہے۔ وہیں زمین کا مرکز ہے۔“

اوتنی کا جواب سن کر تاجر بہت متعجب ہوا۔ اس نے پوچھا۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مرکز وہیں پر ہے اور کسی دوسری جگہ نہیں ہے۔“

”اگر آپ یقین نہیں کرتے ہیں تو جا کر خود ناپ لیں۔ مرکز اس جگہ سے بال برابر بھی ادھر یا اُدھر نکلے تو میں مان لوں گا کہ میرا جواب غلط ہے۔“ اوتنی کے جواب سے تاجر لا جواب ہو گیا۔

اوتنی نے اب دوسرے تاجر سے اس کا سوال پوچھا۔ دوسرے تاجر نے کہا۔ ”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آسمان میں کتنے تارے ہیں؟“

اوتنی نے فوراً ہی جواب دیا۔ ”میرے گدھے کے بدن پر جتنے بال ہیں، آسمان میں ٹھیک اتنے ہی تارے ہیں۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔“



تاجر نے پوچھا۔ ”آپ یہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟“

اونتی بولا۔ ”یقین نہ آئے تو گن کر دیکھ لو، اگر کم یا زیادہ ہو تو کہنا۔“

تاجر بولا۔ ”بھلا گدھے کے بال کیسے گنے جاسکتے ہیں؟“

اونتی نے کہا۔ ”تو تمہیں بتاؤ کہ آسمان کے تارے کیوں کر گنے جاسکتے ہیں؟“ بیچارا تاجر کوئی جواب نہ دے سکا، چپ ہو گیا۔

اب تیسرے تاجر کی باری آئی۔ اونتی نے اس سے بھی سوال پوچھنے کو کہا۔ تیسرے تاجر نے اپنے سر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:

”اچھا بتاؤ میرے سر پر کتنے بال ہیں؟“

اونتی نے ہنس کر کہا۔ ”اگر تم بتا دو کہ میرے گدھے کی دم میں کتنے بال ہیں تو میں تمہارے سر کے بالوں کی تعداد بتا دوں گا۔“ یہ سن کر تاجر لا جواب ہو گیا اور بغلیں جھانکنے لگا۔

سب درباری اونتی کے جوابات سن کر حیرت میں تھے۔ بادشاہ نے اسے حاضر جوابی اور ہوشیاری کا انعام دیا اور تینوں تاجر اپنا منہ لٹکائے واپس چلے گئے۔

ایک بار ایک غریب مزدور نے ایک سرائے والے سے مرغی کا کباب لے کر کھایا۔ اس دن اس کے پاس پیسے نہ تھے۔ وہ قیمت فوراً نہ دے سکا اور دوسرے دن کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ جب وہ دوسرے دن قیمت دینے آیا تو سرائے والے نے اس سے ایک ہزار روپے طلب کیے۔

مزدور کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا ”ایک ہزار روپے“ وہ سرائے والے سے بولا ”ایک مرغی کے کباب کی قیمت ایک ہزار روپے۔“

کیوں نہیں، تم خود ہی حساب لگا لو۔ اگر تم مرغی نہ کھاتے تو وہ کتنے انڈے دیتی؟ ان انڈوں سے کتنے بچے نکلتے؟ اور اس طرح جتنے بچے نکلتے ان کی قیمت اتنی ہی ہوتی ہے۔“ سرائے کے مالک نے کہا۔

مزدور نے کہا۔ ”میں اتنا پیسہ نہیں دوں گا۔“

اس پر دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ آخر کار وہ عدالت میں پہنچے۔ ”منصف نے انہیں اگلے دن اپنے اپنے وکیل کے ساتھ آنے کو کہا۔

مزدور نے اونتی کے بارے میں سُن رکھا تھا۔ وہ اونتی کے پاس گیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اونتی نے مزدور سے کہا۔ ”تم ٹھیک وقت پر عدالت میں پہنچ جانا۔ میں وہیں آ جاؤں گا۔“

اگلے دن ٹھیک وقت پر سرائے کا مالک اور مزدور عدالت میں پہنچے۔ سرائے کے مالک کے وکیل نے وہی پرانی کہانی دہرا

دی۔ اب مزدور کو اپنی حمایت میں کچھ کہنا تھا۔ لیکن اس وقت تک اونتی وہاں پہنچ نہیں پایا تھا جس سے مزدور بہت پریشان تھا۔
 اتنی دیر میں اونتی وہاں آ پہنچا۔ اس نے دیر سے پہنچنے کے لیے معافی مانگی اور کہا: آج مجھے اپنے کھیت میں گےہوں بونا تھا۔
 اس لیے میں انھیں بھنوانے چلا گیا تھا۔“ اس بات پر سب لوگ ہنس پڑے۔
 منصف نے اونتی سے پوچھا ”کیا کہیں بھنے ہوئے گےہوں سے بھی پودے اگتے ہیں؟
 اونتی بولا۔ ”آپ ٹھیک کہتے ہیں جناب، بھنے ہوئے گےہوں سے پودے نہیں اُگ سکتے۔ اسی طرح بھنی ہوئی مرغی بھی انڈے
 نہیں دے سکتی۔“
 منصف کو اونتی کی بات بالکل ٹھیک معلوم ہوئی۔ اس لیے اس نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ ”سرائے کے مالک کو صرف ایک
 مرغی کی قیمت پانے کا اختیار ہے۔“

(ترجمہ جاپانی لوک کہانی)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

تاجر	:	تجارت کرنے والا
تائل	:	جھجک
حسد	:	جلن
متعجب	:	حیران ہونا
حمایت	:	ساتھ دینا
حاضر جوابی	:	کسی سوال کا فوراً جواب دینا

● غور کیجیے

☆ حاضر جوابی اور ذہانت سے انسان کو عزت اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- اونی نے زمین کا مرکز کہاں بتایا؟
- 2- آسمان میں کتنے تارے ہیں، اونی نے اس سوال کا کیا جواب دیا؟
- 3- سرائے والے اور مزدور میں کیا جھگڑا تھا؟
- 4- اونی نے سرائے والے اور مزدور کے جھگڑے کو حل کرنے کے لیے کیا دلیل دی؟

● نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

نیچا دکھانا منہ لٹکانا بغلیں جھانکنا

● نیچے لکھے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے:

الچھن بٹی ناپ بالکل

1. تم ایک زندہ..... کو پکڑ کر اسے نگل جاؤ۔
2. بادشاہ پھر..... میں مبتلا ہو گیا۔
3. اگر آپ یقین نہیں کرتے ہیں تو جا کر خود..... لیں۔
4. منصف کو اونی کی بات..... ٹھیک معلوم ہوئی۔

● عملی کام:

☆ اونی کی حاضر جوابی کے بارے میں چند جملے لکھیے۔



حبیب تنویر

(1923 - 2009)

حبیب تنویر کا اصل نام حبیب احمد خاں اور تنویر تخلص ہے۔ ادبی اور ثقافتی دنیا میں وہ حبیب تنویر کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ناگ پور یونیورسٹی سے بی۔ اے کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو گئے۔ ابتدا میں انھوں نے فلمی گیت اور مکالمے لکھے پھر قدسیہ زیدی کے ہندوستانی تھیٹر میں شامل ہو گئے۔ لندن اور جرمنی میں ڈرامے کی تکنیک پر مہارت حاصل کی۔ انھوں نے بہت سے اردو ڈرامے لکھے، جنہیں بہت سے مشرقی اور مغربی ملکوں میں اسٹیج کیا گیا۔ ان میں ”سات پیسے“، ”چرن داس چور“، ”ہرما کی کہانی“، ”آگرہ بازار“، ”شاجاپور کی شانتی بائی“، ”مٹی کی گاڑی“ اور ”میرے بعد“ بہت مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کے ذریعے چھتیس گڑھ کے لوک کلاکاروں کو قومی سطح پر روشناس کرایا۔

حبیب تنویر کو قومی اور بین الاقوامی سطح کے کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے۔ حکومتِ فرانس نے ان کو اپنی سوانح حیات لکھنے کے لیے اسکالرشپ دینے کا اعلان کیا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام تک وہ اسے قلم بند کرنے میں مصروف تھے۔ ہندی، بنگالی، مراٹھی، اور یورپ کی کئی زبانوں میں ان کے ڈرامے ترجمہ ہو چکے ہیں۔



5022CH21

کارتوس

- ڈرامے کے کردار: کرنل
لیفٹیننٹ
سپاہی
سوار
- زمانہ : 1799
وقت : رات
جگہ :
- (گورکھ پور کے جنگلوں میں کرنل کالنز کے خیمے کا اندرونی حصہ۔ دو انگریز بیٹھے باتیں کر رہے ہیں
کرنل کالنز اور ایک لیفٹیننٹ۔ خیمے کے باہر چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ اندر لیمپ جل رہا ہے۔)
- کرنل : جنگل کی زندگی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔
لیفٹیننٹ : ہفتوں ہو گئے یہاں خیمہ ڈالے ہوئے۔ سپاہی بھی تنگ آ گئے ہیں۔ یہ وزیر علی آدمی ہے یا بھوت؟
باتھ ہی نہیں لگتا۔
- کرنل : اس کے افسانے سن کر رابن ہڈ کے کارنامے یاد آ جاتے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف اس کے دل
میں کس قدر نفرت ہے۔ کوئی پانچ مہینے حکومت کی ہوگی۔ مگر اس پانچ مہینے میں وہ اودھ کے دربار کو
انگریزی اثر سے بالکل پاک کر دینے میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا۔
- لیفٹیننٹ : کرنل کالنز، یہ سعادت علی کون ہے؟
کرنل : آصف الدولہ کا بھائی ہے۔ وزیر علی کا چچا اور اس کا دشمن۔ دراصل نواب آصف الدولہ کے ہاں
لڑکے کی کوئی امید نہ تھی۔ وزیر علی کی پیدائش کو سعادت علی نے اپنی موت خیال کیا۔



- لیفٹیننٹ : مگر سعادت علی کو اودھ کے تخت پر بٹھانے میں کیا مصلحت تھی؟
- کرنل : سعادت علی ہمارا دوست ہے اور بہت عیش پسند آدمی ہے۔ اس نے ہمیں اپنی آدھی مملکت دے دی۔ اور دس لاکھ روپے نقد، اب وہ بھی مزے کرتا ہے اور ہم بھی۔
- لیفٹیننٹ : سنا ہے یہ وزیر علی افغانستان کے بادشاہ شاہ زماں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔
- کرنل : افغانستان کو حملے کی دعوت سب سے پہلے اصل میں ٹیپو سلطان نے دی۔ پھر وزیر علی نے بھی اسے دئی بلایا اور شمس الدولہ نے بھی۔
- لیفٹیننٹ : کون شمس الدولہ؟
- کرنل : نواب بنگال کا نسبتی بھائی۔ بہت خطرناک آدمی ہے۔
- لیفٹیننٹ : اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ کمپنی کے خلاف سارے ہندوستان میں ایک لہر دوڑ گئی ہے۔
- کرنل : جی ہاں۔ اور اگر یہ کامیاب ہوگئی تو بکسر اور پلاسی کے کارنامے دہرے رہ جائیں گے اور کمپنی جو ساکھ لارڈ کلایو کے ہاتھوں حاصل کر چکی ہے، لارڈ ویلیزلی کے ہاتھوں وہ سب کھو بیٹھے گی۔

- لیفٹیننٹ : وزیر علی کی آزادی بہت خطرناک ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس شخص کو گرفتار کر ہی لینا چاہیے۔
- کرنل : پوری ایک فوج لیے اس کا پیچھا کر رہا ہوں اور برسوں سے وہ ہماری آنکھوں میں دھول ڈالے انہی جنگلوں میں پھر رہا ہے اور ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے ساتھ چند جاں باز ہیں۔ مٹھی بھر آدمی مگر یہ دم ختم!
- لیفٹیننٹ : سنا ہے وزیر علی ذاتی طور سے بہت بہادر آدمی ہے۔
- کرنل : بہادر نہ ہوتا تو یوں کمپنی کے وکیل کو قتل کر دیتا؟
- لیفٹیننٹ : یہ قتل کا کیا قصہ ہوا تھا کرنل؟
- کرنل : قصہ کیا ہوا تھا؟ وزیر علی کو معزول کرنے کے بعد ہم نے اسے بنارس پہنچا دیا اور تین لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ کچھ مہینے بعد گورنر جنرل نے اسے کلکتے طلب کیا۔ وزیر علی کمپنی کے وکیل کے پاس گیا جو بنارس میں رہتا تھا اور اس سے شکایت کی کہ گورنر جنرل اسے کلکتے میں کیوں طلب کرتا ہے۔ وکیل نے شکایت کی پروانہ کی۔ اُلٹا اسے بُرا بھلا سنا دیا۔ وزیر علی کے دل میں یوں بھی انگریزوں کے خلاف نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس نے خنجر سے وکیل کا کام تمام کر دیا۔
- لیفٹیننٹ : اور بھاگ گیا؟
- کرنل : اپنے جاں نثاروں سمیت اعظم گڑھ کی طرف بھاگ گیا۔ اعظم گڑھ کے حکمرانوں نے ان لوگوں کو اپنی حفاظت میں گھاگھرا تک پہنچا دیا۔ اب یہ کارواں جنگلوں میں کئی سال سے بھٹک رہا ہے۔
- لیفٹیننٹ : مگر وزیر علی کی اسکیم کیا ہے؟
- کرنل : اسکیم یہ ہے کہ کسی طرح نیپال پہنچ جائے، افغانی حملے کا انتظار کرے، اپنی طاقت بڑھائے، سعادت علی کو معزول کر کے خود اودھ پر قبضہ کر لے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دے۔
- لیفٹیننٹ : نیپال پہنچنا تو کوئی ایسا مشکل نہیں۔ ممکن ہے پہنچ گیا ہو۔
- کرنل : ہماری فوجیں اور نواب سعادت علی خاں کے سپاہی بڑی سختی سے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ انہی جنگلوں میں ہے۔
- (ایک گورا سپاہی تیزی سے داخل ہوتا ہے)
- گورا سپاہی : سر!

- کرنل : اُٹھ کر) کیا بات ہے؟
- گورا سپاہی : دور سے گرد اٹھتی دکھائی دے رہی ہے۔
- کرنل : سپاہیوں سے کہہ دو کہ تیار رہیں۔
- (سپاہی سلام کر کے چلا جاتا ہے)
- لیفٹیننٹ : (جو کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا)
- گرددو ایسی اڑ رہی ہے جیسے پورا ایک قافلہ چلا آرہا ہے مگر مجھے تو ایک ہی سوار دکھائی دیتا ہے۔
- کرنل : (کھڑکی کے پاس جا کر) ہاں ایک ہی سوار ہے۔ سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا آرہا ہے۔
- لیفٹیننٹ : اور سیدھا ہماری طرف ہی آتا معلوم ہوتا ہے۔
- (کرنل تالی بجا کر سپاہی کو بلاتا ہے)
- کرنل : (سپاہی سے) سپاہیوں سے کہو اس سوار پر نظر رکھیں کہ یہ کس طرف جا رہا ہے۔
- (سپاہی سلام کر کے چلا جاتا ہے)



- لیفٹیننٹ : شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ تیزی سے اسی طرف آرہا ہے۔
- سوار : (ٹاپوں کی آواز بہت قریب آکر رک جاتی ہے)
- سوار : (باہر سے) مجھے کرنل سے ملنا ہے۔
- گوراسپاہی : (چلا کر) بہت اچھا۔
- سوار : بھئی آہستہ بولو۔
- گوراسپاہی : (اندر جا کر) حضور! سوار آپ سے ملنا چاہتا ہے۔
- کرنل : بھیج دو۔
- لیفٹیننٹ : وزیر علی کاہی کوئی آدمی ہوگا۔ ہم سے مل کر اُسے گرفتار کروانا چاہتا ہوگا۔
- کرنل : خاموش (سوار سپاہی کے ساتھ اندر آتا ہے)
- سوار : (آتے ہی پکار اٹھتا ہے) تنہائی تنہائی۔
- کرنل : یہاں کوئی غیر آدمی نہیں۔ آپ رازِ دل کہہ دیں۔
- سوار : دیوار ہم گوش دارد۔ تنہائی۔
- (کرنل لیفٹیننٹ اور سپاہی کو اشارہ کرتا ہے۔ دونوں باہر چلے جاتے ہیں) جب کرنل اور سوار خیمے میں تنہا رہ جاتے ہیں تو ذرا وقفے کے بعد سوار چاروں طرف دیکھ کر کہتا ہے۔
- سوار : آپ نے اس مقام پر کیوں خیمہ ڈالا ہے؟
- کرنل : کمپنی کا حکم ہے کہ وزیر علی کو گرفتار کیا جائے۔
- سوار : لیکن اتنا لاؤ لشکر کیا معنی؟
- کرنل : گرفتاری میں مدد دینے کے لیے۔
- سوار : وزیر علی کی گرفتاری بہت مشکل ہے صاحب!
- کرنل : کیوں؟
- سوار : وہ ایک جاں باز سپاہی ہے۔
- کرنل : میں نے بھی سن رکھا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟



- سوار : چند کارتوس
- کرنل : کس لیے؟
- سوار : وزیر علی کو گرفتار کرنے کے لیے۔
- کرنل : واہ! یہ لودس کارتوس۔
- سوار : (مسکراتے ہوئے) شکریہ۔
- کرنل : آپ کا نام؟
- سوار : وزیر علی! آپ نے مجھے کارتوس دیے ہیں، اس لیے آپ کی جاں بخشی کرتا ہوں۔
- (یہ کہہ کر باہر نکل جاتا ہے۔ ٹاپوں کا شور سنائی دیتا ہے۔ کرنل ستائے میں ہکا بکا کھڑا ہے۔ لیفٹیننٹ اندر آ جاتا ہے۔)
- لیفٹیننٹ : کون تھا؟
- کرنل : (دبی زبان میں اپنے آپ سے) ایک جاں باز سپاہی۔
- (پردہ)

(حبیب تنویر)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

نیمہ	:	تنبو، ٹینٹ
جاں باز	:	بہادر، جان پر کھیل جانے والا
مصلحت	:	حکمت، پالیسی،
ساکھ	:	نیک نامی، اعتبار
معزول	:	تخت یا گدی سے اتارا ہوا
دیوار ہم گوش دارد	:	دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں
مملکت	:	حکومت، سلطنت
رازِ دل	:	دل کی بات، بھید
وقفہ	:	مہلت، تھوڑی سی دیر
لاؤ لشکر	:	فوج اور اس کا ساز و سامان

● غور کیجیے:

☆ وطن سے محبت کرنے والے جاں باز تاریخ میں زندہ رہتے ہیں اور ہمیشہ ان کی قدر کی جاتی ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1 - وزیر علی کے کارنامے سن کر کس کے کارنامے یاد آتے ہیں؟
- 2 - سعادت علی کو انگریزوں نے اودھ کے تخت پر کیوں بٹھایا؟

- 3 - سعادت علی کیسا آدمی تھا؟
4 - کرنل سے کارتوس مانگنے والا سوار کون تھا؟

● نیچے دیے ہوئے لفظوں سے جملے بنائیے:

تخت خلاف پاک بہادر جاں باز وظیفہ اسکیم

● جمع کے واحد اور واحد کے جمع بنائیے۔

جنگل شکایات افواج سلاطین وظیفہ وزیر

● نیچے لکھے ہوئے جملوں میں صحیح لفظوں سے خالی جگہوں کو بھریے:

- 1 - سنا ہے یہ وزیر علی افغانستان کے بادشاہ شاہ زماں کو ہندوستان پر..... کی دعوت دے رہا ہے۔ (حملہ، لڑائی)
2 - وزیر علی کے دل میں انگریزوں کے خلاف..... کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ (نفرت، برائی، محبت)
3 - وزیر علی کی..... بہت مشکل ہے صاحب۔ (معزولی، جاں بخشی، گرفتاری)

● عملی کام:

- ☆ استاد سے تین شہیدانِ وطن کے نام معلوم کر کے لکھیے۔
☆ دو لوگوں کے درمیان کی گفتگو یا بات چیت مکالمہ کہلاتی ہے۔ اس ڈرامے کے پانچ مکالمے یاد کر کے لکھیے۔
☆ اس ڈرامے کو ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسٹیج کیجیے۔



بشر نواز

(1935–2015)

بشر نواز کا اصل نام بشارت نواز خاں ہے۔ وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ بشر نواز کا تعلق 1960 کے بعد اُبھرنے والے شاعروں کی نسل سے ہے۔ اس نسل کے شعرا جدیدیت سے متاثر تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے کلاسیکی شاعری سے دلچسپی برقرار رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ زبان پر ان کی گرفت مضبوط ہے اور ان کی شاعری میں نئے پن کے ساتھ ساتھ کلاسیکی رنگ بھی ملتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں لیکن نظم گو شاعر کی حیثیت سے بھی معروف ہیں۔ ”رائیگاں“ اور ”اجنبی سمندر“ ان کے شعری مجموعے ہیں۔



5022CH22

قدم بڑھاؤ دوستو!

قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو

چلو کہ ہم کو منزلیں بٹا رہی ہیں دور سے

چلو کہ سارے راستے ڈھلے ہوئے ہیں نور سے

چمن کھلا کھلا سا ہے

افق ڈھلا ڈھلا سا ہے

دیے جلاؤ راہ میں وطن کا نو سنگھار ہے

نئی نئی بہار ہے

قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو

سفر کی ابتدا ہے یہ، ابھی رکو نہ راہ میں

پہاڑ ہو کہ غار ہو، نہ لاؤ تم نگاہ میں



روش پرانی چھوڑ کے
 قدم قدم سے جوڑ کے
 چلے چلو کہ وقت کو تمہارا انتظار ہے
 نئی بہار ہے
 قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو
 کہو، وطن کی خاک ہی کو گلستاں بنائیں گے
 روش روش کو اس چمن کی کہکشاں بنائیں گے
 کلی کلی نکھار کے
 جلاؤ دیپ پیار کے
 ہمیں خود اپنے گلستاں پہ آج اختیار ہے
 نئی بہار ہے
 قدم بڑھاؤ دوستو، قدم بڑھاؤ دوستو

(بشر نواز)

مشق

● معنی یاد کیجیے:

افق : جہاں زمین و آسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں
 کہکشاں : ستاروں کا جھرمٹ

روش : باغ میں بنا ہوا راستہ، پگڈنڈی، طریقہ
گلستاں : باغ

● غور کیجیے:

☆ اس نظم میں لفظ 'روش' کا استعمال ایک سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ جیسے I 'روش پرانی چھوڑ کے' II 'روش روش کو' اس چمن کی کہکشاں بنائیں گے' پہلے مصرعے میں روش کے معنی ہیں طریقہ اور دوسرے مصرعے میں اسے پگڈنڈی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

● سوچیے اور بتائیے:

- 1- 'قدم بڑھاؤ دوستو' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- 2- پہاڑ اور غار کو نگاہ میں نہ لانے کا مطلب کیا ہے؟
- 3- اس نظم کے ذریعے شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟

● عملی کام:

☆ جس لفظ سے کسی کام کا ہونا یا کرنا ظاہر ہو، اسے فعل کہتے ہیں جیسے: چلنا، پڑھنا وغیرہ۔ اس نظم میں شامل افعال کی ایک فہرست بنائیے۔

☆ اس نظم کو بلند آواز سے پڑھیے۔